

یہ کس کی فوج ہے؟

قاری عبدالہادی

حال ہی میں پاکستان کی سرزمین پر پے درپے کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں، جنہوں نے ہر صاحبِ فہم شخص کو پاکستان کی افواج اور خفیہ ایجنسیوں کے کردار کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ پہلے ایٹ آباد میں مسلمانانِ عالم کی غیرت و حمیت کی علامت، کفارِ عالم کے خلاف جہاد و مزاحمت کے نشان، شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کو ان کے بیٹے اور دوستوں سمیت شہید کیا گیا اور پاکستانی ایجنسیوں نے آپ کے گھر کی خواتین کو گرفتار کر کے خفیہ قید خانوں میں ڈال دیا۔ اس سے چند دن قبل پاکستانی فوج اور خفیہ ایجنسیوں نے ایٹ آباد ہی میں ایک کارروائی کے دوران انڈونیشیا سے تعلق رکھنے والے جہادی قائد، عمر پاتک کو گرفتار کیا۔ امریکہ و آسٹریلیا کو مطلوب اس مجاہد کو گرفتار کرنے کے بعد ان کی اہلیہ کو تمام اہل محلہ کے سامنے برہنہ کر کے فوجی گاڑی میں ڈالا گیا۔ پھر بلوچستان کے علاقے خروٹ آباد میں پولیس اور فوج کے اہلکاروں نے نہتی شیشانی بہنوں کو شہر کی ایک مرکزی شاہراہ پر رسیوں سے باندھا اور گولیوں سے بھون کر شہید کر ڈالا۔ پھر پاکستانی دارالحکومت اسلام آباد سے معروف صحافی سلیم شہزاد کو اغواء کیا گیا اور چند روز بعد آئی ایس آئی اہلکاروں نے اسے قتل کر کے منڈی بہاؤ الدین کے علاقے میں اس کی لاش پھینک دی۔ اور اس کے بعد پورے پاکستان نے دہشت و خوف کے عالم میں ٹی وی سکرینوں پر کرچی کے ایک عام شہری سرفراز شاہ کو رینجرز کے ہاتھوں دن دیہاڑے قتل ہونے کا منظر دیکھا۔ ان واقعات کے میڈیا پر آجانے کے بعد کئی اصحابِ علم و دانش اور تجزیہ نگار و مبصرین نے یوں حیرت کا اظہار کیا گویا فوج کے ہاتھوں ایسے جرائم کا ارتکاب کوئی

انہونا امر تھا۔ یقیناً اس خطے، بالخصوص پاکستانی فوج کی تاریخ سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والا شخص بھی اس اظہار حیرت پر، حیرت کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ذیل کی سطور میں ہماری کوشش ہوگی کہ تاریخی و دستاویزی حقائق کی مدد سے اسی حیرت کو دور کرنے کی کوشش کریں جن میں یہ مختلف حضرات مبتلا نظر آرہے ہیں۔

پاکستانی فوج کی قبل از قیام پاکستان تاریخ

اگرچہ خود پاکستان کا قیام عمل میں آئے ابھی محض ۶۴ سال گزرے ہیں، لیکن پاکستانی فوج کی بنیاد اس سے ایک صدی قبل ہی، سن ۱۸۴۹ء میں ڈال دی گئی تھی۔ شاید اسی لئے نہ صرف یہ فوج عمر میں اس ملک سے تقریباً سو سال بڑی ہے، بلکہ عملاً بھی اس ریاست کے ہر شعبے پر سو فیصد حاوی ہے۔ فوج یہاں اصل ہے اور باقی ہر شے اس کی فرع۔ لہذا فوج کی قبل از قیام پاکستان کی صد سالہ تاریخ جاننا بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا بعد از قیام پاکستان تاریخ سمجھنا اہم ہے۔

برطانوی ہندوستان کی ”صدر ترقی افواج“

۱۷۵۷ء میں جنگِ پلاسی میں فتح یاب ہونے کے بعد برطانیہ درجہ بدرجہ پورے ہندوستان پر اپنی گرفت مضبوط کرتا گیا۔ برطانوی قیادت یہ بات بخوبی جانتی تھی کہ اس نے ہندوستان پر بزورِ قوت قبضہ جمایا ہے اور یہ قبضہ برقرار رکھنے کے لئے بھی اسے قوت کا سہارا لینا پڑے گا۔ اسی بات کا اظہار سمبلی کے ایک برطانوی گورنر نے ان الفاظ میں کیا:

”ہم نے ہندوستان کو تلوار کے زور سے قابو کر رکھا ہے۔ اگر ہم اپنی فوجی برتری برقرار نہ رکھ پائے تو ہمارا اقتدار بہت تیزی سے ختم ہو جائے گا۔“^۱

چنانچہ ہندوستان پر اپنا غاصبانہ قبضہ برقرار رکھنے کے لئے برطانیہ نے ایک بھرپور فوج منظم کرنا شروع کی۔ فوجی قوت کے بل پر کسی قوم کو غلام بنانے کا عمل تو تاریخ میں پہلے بھی ہوتا رہا ہے، لیکن ایسا کم ہی ہوا ہو گا کہ کسی قوم کو اسی قوم کے سپاہیوں کی مدد سے غلام بنایا گیا ہو۔ برطانیہ نے اہل ہند کو

^۱ Colonel J. Mac Donald, Secretary to Government of Bombay, Military Department,

29th June 1875, in Paramilitary Papers, 1877, Vol. 62

یہ کس کی فوج ہے؟ ----- مدیر کے قلم سے

غلام بنانے کے لئے ایک ایسی فوج تشکیل دینے کا فیصلہ کیا جس کی کمان تو یورپی افسروں کے ہاتھ میں ہو، لیکن جس کی سپاہ سب کی سب ہندوستانیوں پر مشتمل ہوں۔ اس فوج کو برطانیہ نے بتدریج منظم کرتے ہوئے تین ”صدارتی افواج“ (Presidential armies) کی صورت میں ترتیب دیا۔ یہ تین افواج درج ذیل تھیں:

- بنگال آرمی
- بمبئی آرمی
- مدراس آرمی

مغربی ہندوستان (موجودہ پاکستان) پر انگریز کا قبضہ

۱۹ویں صدی کے ابتدائی حصے تک انگریز نے ہندوستان کے مشرقی، جنوبی اور وسطی علاقوں پر اپنا قبضہ نسبتاً مستحکم کر لیا تھا۔ اس وقت لاہور پر سکھوں کی حکومت تھی۔ سکھوں کی سلطنت اپنے عروج کے زمانے میں موجودہ نقشے کے اعتبار سے پاکستانی پنجاب، بھارتی پنجاب، کشمیر، صوبہ سرحد کے ہندو بستی علاقہ جات اور پنجاب کی سرحد پہ واقع سندھ کے بعض علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ ۱۸۲۵ء سے ۱۸۳۰ء کے درمیان سید احمد شہید رحمہ اللہ کی برپا کردہ تحریک مجاہدین نے سکھوں سے مردان، بونیر، پشاور اور کئی ملحقہ علاقے آزاد کر لئے اور وہاں سید صاحب کی قیادت میں ایک باقاعدہ شرعی امارت قائم ہو گئی۔

۱۸۳۱ء میں سید صاحب اور ان کے معتمد رفیق اور وقت کے معروف عالم دین شاہ اسماعیل شہید رحمہما اللہ نے سکھوں کے خلاف لڑتے ہوئے بالاکوٹ کے مقام پر جام شہادت نوش کیا تو وقتی طور پر یہ تحریک کمزور پڑ گئی۔ دوسری طرف سن ۱۸۳۹ء میں سکھ حکمران رنجیت سنگھ کی موت کے بعد باہمی اختلافات کے سبب سکھوں کا اقتدار کمزور ہوا۔ انگریزوں نے اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ۱۸۴۶ء اور ۱۸۴۹ء میں پنجاب پر دو مضبوط حملے کئے اور سکھوں کی باقی ماندہ قوت بھی ختم کر دی۔ یوں ۱۸۴۹ء کے اختتام تک سکھوں کی پوری سلطنت پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔

^۲ تفصیل کے لئے دیکھئے: تاریخ دعوت و عزیمت، از سید ابوالحسن ندوی رحمہ اللہ، جلد ششم، حصہ اول اور دوم



انگریز جہاں ایک طرف پنجاب اور سرحد میں سکھ اقتدار کو ختم کر رہے تھے، وہیں دوسری طرف وہ سندھ اور بلوچستان پر بھی اپنا قبضہ مستحکم کرنے میں مصروف تھے۔ سندھ پر ٹالپور خاندان کے مسلمان امراء کی حکومت تھی، جو پہلے داخلی اختلافات کے سبب کمزور ہوئی اور سندھ کی وسیع سلطنت خیرپور اور میرپور کی دو علیحدہ حکومتوں میں بٹ گئی۔ اس کے بعد انگریزوں نے ۱۸۴۳ء میں میانہ کے مقام پر شدید جنگ کے بعد امیران سندھ کو شکست دی اور ساحل سمندر سمیت سندھ کا بیشتر علاقہ انگریزوں کے قبضے میں چلا گیا۔^۳ نیز ۱۸۳۹ء تک انگریزوں نے قلات پر بھی قبضہ کر لیا اور ۱۸۴۲ء میں وہاں پولیٹیکل ایجنٹ کا نظام نافذ کر دیا گیا۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ بلوچستان کے دیگر علاقوں

^۳ تاریخ دعوت و عزیمت، از سید ابوالحسن ندوی رحمہ اللہ، جلد ششم، حصہ اول، ص ۷۰۔

یہ کس کی فوج ہے؟ ----- مدیر کے قلم سے

پر بھی وہ اپنی گرفت مستحکم کرتے گئے یہاں تک کہ ۱۸۷۶ء میں کوئٹہ پر بھی انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔^۴ انگریزوں نے ان عسکری فتوحات میں ’بنگل آرمی‘ اور ’مدراس آرمی‘ کو استعمال کیا اور کامیابی کے بعد مغربی ہندوستان میں زیادہ تر بنگال آرمی کے افسر و سپاہی تعینات کئے گئے۔^۵

”فرنٹیئر فورس“ کا قیام

پنجاب اور سرحد کے شہری علاقوں پر قبضے کے بعد انگریزوں کو پہلا مسئلہ یہ درپیش تھا کہ اپنی مغربی سرحد کو کیسے محفوظ بنایا جائے۔ سید احمد شہید رحمہ اللہ کی شہادت کے وقتی دھچکے کے بعد تحریک مجاہدین آہستہ آہستہ دوبارہ منظم ہو رہی تھی، یہاں تک کہ ۳۶-۱۸۴۵ء میں بالا کوٹ، گڑھی حبیب اللہ، مانسہرہ اور مظفر آباد کے علاقوں پر محیط ایک باقاعدہ شرعی امارت قائم ہو چکی تھی، جس کے امیر خطہ بنگال سے تعلق رکھنے والے مولانا عنایت علی عظیم آبادی تھے۔^۶ ان مجاہدین سے نمٹنے اور پشاور، مردان، کوہاٹ اور دیگر مقبوضہ علاقوں پر قبائلی مسلمانوں اور مجاہد دستوں کے حملے روکنے کے لئے ۱۸۴۹ء میں انگریز نے ایک نئی قوت، ”فرنٹیئر فورس“ (Punjab Irregular Frontier Force) قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ ”فرنٹیئر فورس“ کی دس رجمنٹیں منظم کی گئیں، جنہیں قبائلی علاقہ جات کی سرحد کے ساتھ ساتھ ڈیرہ اسماعیل خان، کوہاٹ، بنوں اور پشاور میں متعین کیا گیا۔ ان دس رجمنٹوں میں سے پانچ پیادہ اور پانچ سوار رجمنٹیں تھیں۔ ہر رجمنٹ کی اعلیٰ کمان چار یورپی افسران کے ہاتھ میں ہوتی تھی، جن کے تحت سولہ (۱۶) مقامی افسر اور نو سو (۹۰۰) مقامی سپاہی کام کرتے تھے۔ مقامی سپاہیوں میں غالب اکثریت کا تعلق مقبوضہ علاقوں کی پشتون اقوام سے تھا، جبکہ پنجاب اور ہندوستان کے دیگر علاقوں کے مسلمان، سکھ اور ہندو بھی نسبتاً کم تعداد میں موجود تھے۔ ”فرنٹیئر فورس“ کا قیام ہی دراصل پاکستانی فوج کا غیر رسمی نقطہ آغاز ہے۔ یہ فرنٹیئر فورس رجمنٹ آج بھی

^۴ انسائیکلو پیڈیا بریٹینیکا سافٹ ویئر ۱۰

^۵ (دی گیریزن سٹیٹ) The Garrison State; The Government, Military & Society in

Colonial Punjab, 1849-1947, by Tan Tai Yong; page 39.

^۶ موج کوثر، از شیخ محمد اکرام، صفحہ ۵۱

^۷ دی گیریزن سٹیٹ، صفحہ ۳۷

یہ کس کی فوج ہے؟ ----- مدیر کے قلم سے

پاکستانی فوج کا جزو ہے اور اس کا نام تک تبدیل کرنے کی زحمت نہیں کی گئی، تاکہ اس رُوشن تاریخ سے رشتہ برقرار رہ سکے۔ فوج میں اس رجمنٹ کو بالاختصار ”Piffers“ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ پاکستانی بری فوج کے دو سابقہ سربراہ جنرل موسیٰ خان اور جنرل عبدالوحید کاکڑ کا تعلق اسی رجمنٹ سے تھا۔ غور طلب نکتہ یہ ہے کہ قبل از قیام پاکستان اور بعد از قیام پاکستان کی افواج میں محض یہ اسی اشتراک ہی نہیں، بلکہ عملاً بھی پاکستانی فوج اور ایف سی، آج قبائلی علاقہ جات اور سوات میں انہی مقاصد کو پورا کرنے میں تن دہی سے مصروف ہے جن کے حصول کی خاطر انگریز نے تقریباً ایک سو ساٹھ سال قبل فرنٹیئر فورس تشکیل دی تھی۔ یہاں اس بات کا ذکر بھی مناسب ہو گا کہ اسی رجمنٹ کے ’جوانوں‘ نے ۱۹۹۳ء میں صومالیہ^۸ کے مسلمانوں اور وہاں موجود شیخ اسامہ رحمہ اللہ کے مجاہد ساتھیوں کے خلاف لڑائی میں بھی اپنی بھرپور خدمات پیش کی تھیں، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ!

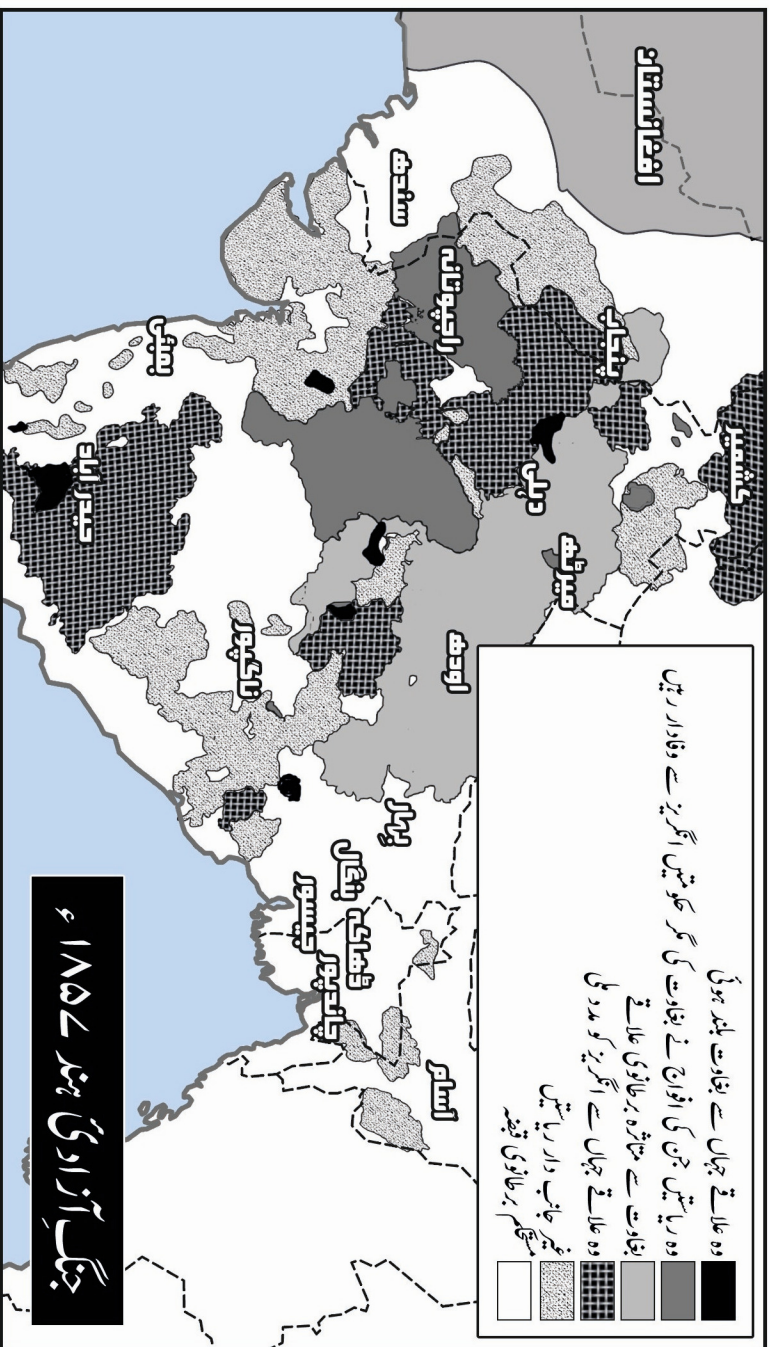
۱۸۵۷ء کے جہاد (کوکچلے) میں پاکستانی فوج کی رجمنٹوں کا کردار^۹

برصغیر کا کوئی بھی باحمیت مسلمان انگریز کی غلامی تلے جینے پر راضی نہیں تھا۔ پھر انگریزوں کی عیسائیت پھیلانے کی مہمات اور مقامی آبادی پر وحشیانہ مظالم دلوں میں مزید نفرتیں بھر رہے تھے۔ اسی جذبہء نفرت کو تحریک مجاہدین سے وابستہ علمائے کرام نے درست سمت دی اور انگریز کی فوج میں کام کرنے والے مسلمانوں کو بغاوت پر ابھارا۔ ایک طرف بنگال میں مولانا عنایت علی اور مولانا ولایت علی رحمہما اللہ کے شاگردوں اور معتقدین نے فوجی حلقوں میں خصوصی محنت کی^{۱۰}، تو دوسری طرف مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہما اللہ جیسے نمایاں علمائے وقت بھی اپنے متبعین سمیت میدان جہاد میں اتر آئے۔ بالآخر ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ میں بنگال آرمی کی دو پیادہ رجمنٹوں اور ایک سوار رجمنٹ میں بغاوت پھوٹ پڑی۔

^۸ ‘We Are Soldiers’, a documentary film series produced by DAWN News Channel.

^۹ دی گیزٹن سٹیٹ، صفحہ ۲۰۳، عنوان: پنجاب اور ۱۸۵۷ء کی بغاوت

^{۱۰} سید احمد شہید اور ان کی تحریک مجاہدین، از ڈاکٹر صادق حسین، ص: ۲۵۴ (انگریزوں کی فوج میں مجاہدین کا تذکرہ)



مقامی فوجیوں نے اپنے یورپی افسران کو قتل کر کے میرٹھ اور قریبی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد انہوں نے دہلی کا رخ کیا اور چوبیس گھنٹے کے اندر اندر دہلی کے بڑے حصے سے انگریز کو بے دخل کر کے بہادر شاہ ظفر کو ہندوستان کا بااختیار بادشاہ بنا دیا۔ بغاوت کی اس آگ نے دیکھتے ہی دیکھتے پورے وسطی و شمالی ہندوستان کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

یہ ہندوستان میں برطانوی اقتدار کو پیش آنے والا سب سے بڑا خطرہ تھا۔ برطانوی قیادت ایک کٹھن صورت حال سے دوچار تھی۔ ایک طرف شمالی اور وسطی ہندوستان پر برطانوی گرفت عملاً ختم ہو چکی تھی، تو دوسری طرف بغاوت کی یہ لہر پنجاب، سرحد اور سندھ میں موجود 'بنگال آرمی' تک پھیل جانے کا خدشہ بھی قوی تھا۔ ایسے میں برطانوی فوجی قیادت نے کچھ فوری اقدامات اٹھاتے ہوئے سب سے پہلے پنجاب اور سرحد کو محفوظ بنانے کا فیصلہ کیا۔ پنجاب و سرحد میں موجود یورپی افسروں کی کل تعداد دس ہزار تین سو چھپیس (۱۰,۳۲۶) تھی۔ ان یورپی افسروں نے 'فرنٹیئر فورس' کے تیرہ ہزار چار سو تیس (۱۳,۴۳۰) مقامی سپاہیوں کو ساتھ لیتے ہوئے پہلے پنجاب کی فوجی چھاؤنیوں میں موجود تمام بھاری اسلحہ اور فوجی ذخیرہ اپنے ہاتھ میں لیا۔ اس کے بعد اس خطے میں تعینات بنگال آرمی کے تمام غیر یورپی فوجیوں سے ہتھیار ڈلائے گئے، جن میں سے زیادہ تر کا تعلق بنگال اور اس کے قریبی علاقوں سے تھا۔ یوں فرنٹیئر فورس کی خدمات بروئے کار لاتے ہوئے امرتسر، لاہور، ملتان اور جہلم میں متعین کل تیرہ ہزار (۱۳,۰۰۰) فوجیوں سے ہتھیار واپس لینے کا عمل پرامن طریقے سے مکمل کر لیا گیا۔

مغربی ہندوستان پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے بعد برطانوی قیادت نے دہلی اور اس کے گرد و نواح میں موجود فوج کی مدد کے لئے پنجاب سے کمک روانہ کی، جو کہ زیادہ تر یورپی سپاہی پر مشتمل تھی۔ مگر دہلی کی فوج کے قائد جنرل آرتھر ولسن نے یہ کہتے ہوئے مزید کمک طلب کی کہ: اگر ایسا نہ کیا گیا تو دہلی واپس لینا تو درکنار، خود اپنا دفاع کرنا بھی ناممکن ہو جائے گا۔ اس نازک اور تاریخی موقع پر، جب پورے ہندوستان کا مستقبل ایک اہم دوراہے پر کھڑا تھا اور ہندوستانی مسلمان انگریزی اقتدار سے نجات پانے کے لئے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا رہے تھے؛ برطانیہ نے اس مبارک جہادی تحریک کو کچلنے کے لئے ایک نئی قوت کھڑی کرنے کا فیصلہ کیا۔ مئی سے دسمبر ۱۸۵۷ء کے درمیان پنجاب و سرحد سے ۳۴,۰۰۰ نئے فوجی بھرتی کئے گئے جن میں سکھوں اور ہندوؤں کے علاوہ خود کو مسلمان کہلانے والے بھی بڑی تعداد میں شامل تھے۔ ان فوجیوں نے بنگال آرمی کے ان مقامی سپاہیوں کی جگہ سنبھالی

جن سے ہتھیار ڈلوائے گئے تھے، نیز انہی کو منظم کر کے اٹھارہ (۱۸) نئی پیادہ رجمنٹیں بھی تشکیل دی گئیں۔ یہی وہ قوت تھی جس کی مدد سے برطانیہ نے دہلی واپس لیا اور بالآخر جون ۱۸۵۸ء تک یہ مبارک جہادی تحریک کچل ڈالی گئی۔ انہی بد بختوں کی مدد سے ہندوستان کے طول و عرض میں مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا، ان کی املاک تباہ کی گئیں، ہزار ہا علماء کو پھانسیاں دے کر نشانِ عبرت بنایا گیا اور مسلمان خواتین کی آبروریزی کی گئی۔ کتنی ہی خواتین نے اپنی عزتیں بچانے کے لئے کنوؤں میں چھلانگیں لگائیں۔ مولوی ذکاء اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”کنوؤں میں اس قدر عورتیں گریں کہ پانی میں ڈوبنے کی جگہ نہ رہی۔ پھر ان پر اور عورتیں گریں اور وہ ڈوب نہ سکیں۔“^{۱۱}

دہلی پر قبضے کے بعد کا منظر بیان کرتے ہوئے انگریز جرنیل لارڈ روبرٹس لکھتا ہے:

”دہلی واقعی شہرِ خوشاں بنا ہوا تھا۔ ہمارے گھوڑوں کے سموں کی آواز کے سوا وہاں کوئی آواز نہ تھی۔ ہر طرف لاشیں پڑی تھیں۔ ہر لاش گل سڑ رہی تھی۔ یہ مناظر بڑے ہی خوفناک اور دل دہلا دینے والے تھے۔ کتے لاشوں کے اعضاء بھنبھوڑ رہے تھے۔ بعض لاشوں کو گدھ کھا رہے تھے..... ہمارے گھوڑوں پر بھی دہشت طاری ہو گئی تھی۔ وہ بدکتے اور نتھتے پھلا کر عجیب سی آوازیں نکالتے تھے۔“^{۱۲}

’فاتح فوج‘ مسلمانوں کے گھروں میں موجود تجارتی مال، سونا چاندی، نقدی، کتابیں اور گھر بیلو سامان، حتیٰ کہ چار پائیاں تک اٹھا کر ساتھ لے گئی۔^{۱۳} الغرض، ظلم کا ہر ممکنہ حربہ استعمال کیا گیا تا کہ مسلمان دوبارہ کبھی جہاد کا نام لینے کی جرأت نہ کریں۔

۱۸۵۷ء کی جہادی تحریک کو کچلنے میں مغربی ہندوستان (موجودہ پاکستان) کی رجمنٹوں نے جو مکروہ کردار ادا کیا، وہ برطانوی فوجی قیادت کے لئے بھی خوشگوار طور پر حیران کن تھا۔ ایک معروف انگریز مصنف نے اس زمانے میں لکھا کہ:

^{۱۱} سید احمد شہید اور ان کی تحریک مجاہدین، از ڈاکٹر صادق حسین، ص: ۶۷

^{۱۲} Forty one Years of India, by Roberts

^{۱۳} سید احمد شہید اور ان کی تحریک مجاہدین، از ڈاکٹر صادق حسین، ص: ۶۸

”سب سے زیادہ حیرانی کی بات یہ تھی کہ ’غدر‘ کے دوران اگرچہ عام طور پر یہ سمجھا جا رہا تھا کہ انگریزوں کی جنگ ہندوستانیوں کے خلاف ہے، مگر اس جنگ کے برقرار رکھنے اور اس کو مدد پہنچانے کے ذمہ دار بھی ایسی لوگ ہی تھے..... جو کام ان کے سپرد کیا جاتا اسے بڑی تندہی اور وفاداری سے سر انجام دیتے، گویا کہ ہمارے اور ان کے درمیان کچھ بھی خاصیت اور جدائی نہیں اور نہ ہمارے اور ان کے مفادات جدا ہیں..... اگر یہ ایسی مزدور نہ ہوتے تو نہ ہماری فوج کو کھانا ملتا، نہ ہمارے گھوڑوں کو چارہ مہیا ہوتا، نہ ہماری توپوں میں گولے ڈالے جاسکتے اور نہ ہی ہمارے بھاری اسلحے کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کیا جاسکتا۔ اور تو اور، ہم اپنے مردوں اور زخمیوں کو میدانِ جنگ سے اٹھانے کے قابل بھی نہ ہوتے۔ مگر ہمارے یہ ایسی ملازم ہر حال میں ہمارے وفادار رہے اور صرف چند ماہانہ روپوں کی خاطر یہ کرائے کے ٹٹو ہمارے ساتھ چھٹے رہے اور انہوں نے کبھی خیال نہیں کیا کہ ایسا کرنا ان کے لئے کتنی بے غیرتی کی بات ہے!“^{۱۴}

چنانچہ برطانوی فوج نے جنگ کے بعد بھی ان وفادار فوجیوں کو نوکری پر بحال رکھنے کا فیصلہ کیا۔ نیز بنگالی فوجیوں کے باغیانہ رجحانات دیکھتے ہوئے یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ ’بنگل آرمی‘ میں پنجاب و سرحد کے فوجیوں کا تناسب بتدریج بڑھایا جائے گا اور بنگالی فوجیوں کا تناسب بتدریج کم کیا جائے گا۔ یہ پہلی بار تھا کہ مغربی ہندوستان کے لوگوں کو فرنٹیئر فورس (جو کہ ایک نیم فوجی فورس تھی) سے آگے بڑھ کر برطانیہ کی باقاعدہ فوج میں بھی شامل کیا جا رہا تھا۔ بھرتی کا یہ سلسلہ بتدریج جاری رہا، یہاں تک کہ سن ۱۸۷۰ء تک بنگال آرمی میں پنجاب و سرحد کے فوجیوں کا تناسب بڑھ کر ۳۵ فیصد تک پہنچ گیا۔^{۱۵} اس کے علاوہ، ایک قلیل سی تعداد میں بلوچ قومیت کے لوگ بھی فوج میں شامل ہوئے۔ مغربی ہندوستان سے بھرتی کی جانے والی یہ رجمنٹیں بھی آج تک پاکستانی فوج میں انہی ناموں کے ساتھ برقرار ہیں جو ۱۸۵۷ء کے جہاد کے وقت انہیں انگریزوں نے عطا کئے تھے!

^{۱۴} سید احمد شہید اور ان کی تحریک مجاہدین، از ڈاکٹر صادق حسین، ص ۳۶۲ (بحوالہ: Kaye, Volume II, Page: 454-455)

^{۱۵} ڈی گریزن سٹیٹ، صفحہ ۵۵

افغانستان کی سمت سے خطرات اور پاکستانی فوج کی تاسیس اول^{۱۶}

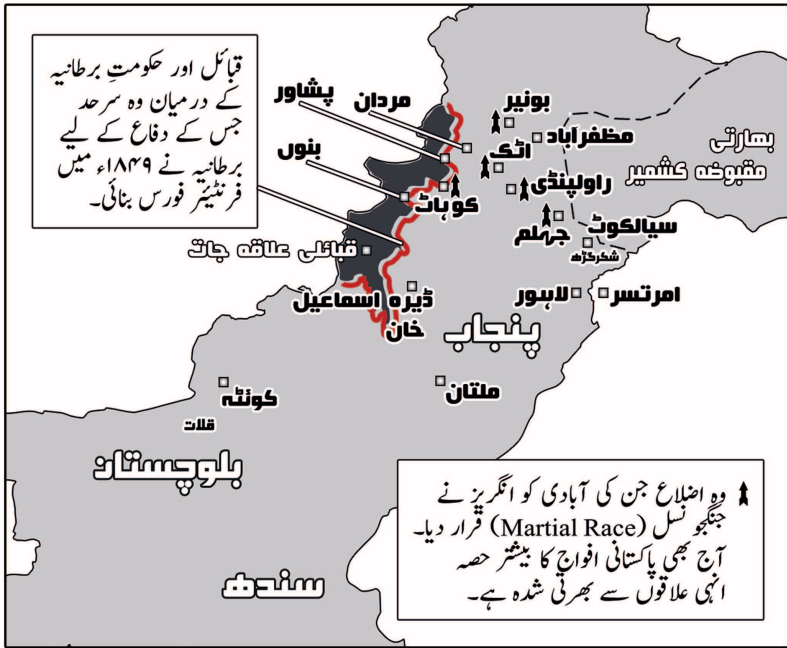
۱۸۴۸ء میں برطانیہ نے افغانستان پر حملہ کر کے اپنے وفادار سردار دوست محمد خان کو کابل کا حاکم مقرر کیا۔ ۱۸۶۳ء میں دوست محمد خان کی وفات کے بعد برطانیہ افغان تعلقات بتدریج کشیدہ ہوتے چلے گئے اور افغانستان کا نیا امیر برطانیہ سے سرکش ہو کر روس سے قربتیں بڑھانے لگا۔ اسی پس منظر میں، سن ۱۸۷۸ء میں دوسری برطانیہ افغان جنگ کا آغاز ہوا اور برطانیہ نے کابل پر قبضہ کرنے کے بعد یعقوب خان نامی آلہ کار کو کابل کا نیا امیر مقرر کیا۔ افغانستان کے پہاڑوں سے ٹکرانے کے بعد برطانیہ نے یہ بات بخوبی سمجھ لی تھی کہ افغان قوم کو بزورِ قوت غلام بنانا ناممکن ہے۔ اسی لئے اس نے اپنے سامنے بنیادی ہدف بس یہی رکھا کہ افغانستان میں ایک ایسی حکومت موجود ہو جو اس کی مغربی سرحدات کے لئے کسی خطرے کا باعث نہ بنے۔ نیز برطانیہ یہ بھی دیکھ رہا تھا کہ افغانستان اب اس کے اور روس کے درمیان سیاسی رسہ کشی کا ایک مستقل میدان بن رہے گا۔ اسی لئے اس نے:

- ہندوستان کی مغربی سرحدات کی حفاظت کرنے،
 - روسی خطرے سے نمٹنے،
 - اور انگریز کے نمک خوار کر زنی نمائندہوں کے خلاف افغان عوام کی ممکنہ بغاوتیں کچلنے
- کی غرض سے مغربی ہندوستان (یعنی موجودہ پاکستان) میں اپنی فوج کو مزید مضبوط و منظم کرنے کا فیصلہ کیا۔ معروف برطانوی جرنیل لارڈ روبرٹس، جو پہلے فرنٹیئر فورس کا سربراہ رہا، پھر افغانستان پر حملے کی قیادت کی اور ۱۸۸۵ء میں بنگال آرمی کا سربراہ مقرر کیا گیا، اور برطانوی جرنیل جنرل جورج میک مَن (Mac Munn)؛ دونوں ہی اس بات کے پر زور داعی تھے کہ مذکورہ بالا اہداف حاصل کرنے کے لئے یہ لازم ہے کہ برطانوی قابض فوج برصغیر کی بہترین جنگجو نسلوں پر مشتمل ہو۔ چنانچہ برطانوی جرنیلوں نے برصغیر کی مختلف اقوام کے ساتھ اپنے تجربات کی روشنی میں کچھ مخصوص علاقوں میں پائی جانے والی مخصوص اقوام کو ”جنگجو نسلیں“ (martial races) قرار دیا۔ ان اقوام کو محض ان کی جنگی صلاحیتوں کے سبب نہیں چنا گیا، بلکہ ان کی برطانوی حکومت سے وفاداری اور ان کی معاشی

یہ کس کی فوج ہے؟ ----- مدیر کے قلم سے

تنگ دستی وغیرہ جیسے عوامل بھی مد نظر رکھے گئے۔ برطانیہ کی چنیدہ جنگجو نسلوں والے ان علاقوں میں سب سے نمایاں اضلاع درج ذیل تھے:

- ضلع جہلم
- ضلع راولپنڈی
- ضلع اٹک
- ضلع کوہاٹ
- ضلع بونیر^{۱۷}



^{۱۷} ”جنگجو نسلوں“ (martial races) کا خرافاتی فلسفہ خود ایک تفصیل طلب موضوع ہے، جس کو گہرائی سے سمجھنے کے لئے سکا پور یونیورسٹی کے پروفیسر ٹان ٹائی یونگ کی معروف کتاب: ’دی گیریزن سٹیٹ‘ کا مطالعہ مفید رہے گا۔

۱۸۸۵ء میں جب جنرل روبرٹس نے بنگال آرمی کی قیادت سنبھالی تو نہ صرف بنگال آرمی، بلکہ مدراس اور بمبئی آرمی میں بھی غیر جنگجو نسلوں کی جگہ ان وفادار جنگجو نسلوں کو بھرتی کرنے کا عمل تیزی سے شروع ہو گیا۔ یہ سلسلہ جنرل روبرٹس کے بعد لارڈ کچنر (Kitchener) نے بھی جاری رکھا۔ نیز اس نے ہندوستان میں موجود پوری برطانوی فوج کی تنظیم نو بھی کی۔ کچنر نے ۱۹۰۳ء تک مدراس، بنگال اور بمبئی کی صدارتی افواج کو باہم ضم کر کے ایک مرکزی کمان کے تابع کر دیا۔ پھر اس ”شاہی ہندی فوج“ (Royal Indian Army) کو چار علاقائی کمانوں میں تقسیم کیا؛ یعنی بنگال، پنجاب (جس کے تحت فرنٹیئر فورس بھی شامل تھی)، مدراس اور بمبئی کی کمان۔ چونکہ یہ ساری تبدیلیاں افغانستان اور روس سے درپیش خطرات کے تناظر میں کی گئی تھیں، اس لئے پنجاب کی فوجی کمان، افغانستان کے سب سے قریب واقع ہونے کے سبب مرکزی اہمیت اختیار کر گئی۔ نیز مغربی ہندوستان کے چار اہم علاقوں: پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان پر گرفت مضبوط رکھنا بھی اسی کمان کے ذمے لگا۔ پھر اس کی اہمیت کا ایک اور سبب یہ بھی تھا کہ سن ۱۹۰۰ء تک پورے ہندوستان میں پھیلی شاہی ہندی فوج کی آدھی سے زائد (50.6 فیصد) نفری وہ ”جنگجو نسلیں“ فراہم کر رہی تھیں، جن کی اکثریت پنجاب و سرحد کے علاقوں سے تعلق رکھتی تھی۔ قابض برطانوی افواج کی یہی پنجاب کی فوجی کمان، درحقیقت آج کی پاکستانی فوج کا دل ہے۔ پس اس کمان کے باقاعدہ قیام کو پاکستانی فوج کی تاسیس اول اور لارڈ کچنر کو پاکستانی فوج کا مؤسس اول کہنا کچھ زیادہ غلط نہ ہو گا۔

یہ پورا پس منظر سمجھ لینے کے بعد اس نتیجے تک پہنچنا مشکل نہیں رہتا کہ (۸۰ء کی دہائی میں) پاکستانی فوج نے اگر روس کے خلاف جہاد میں مجاہدین کی کوئی مدد کی، تو وہ کسی دینی سوچ سے زیادہ اسی برطانوی سوچ کا مظہر تھی جو روس کو اپنے لئے ایک مستقل خطرہ سمجھتی تھی^{۱۸}۔ اسی طرح اگر پاکستانی فوج آج افغانستان کی طالبان تحریک کو کوئی مدد فراہم کرے تو اس کا سبب بھی یہ نہیں ہو گا کہ فوج کی قیادت شرعی نظام کو غالب دیکھنے کے لئے بے چین ہے۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو یہ فوجی قیادت سب سے پہلے

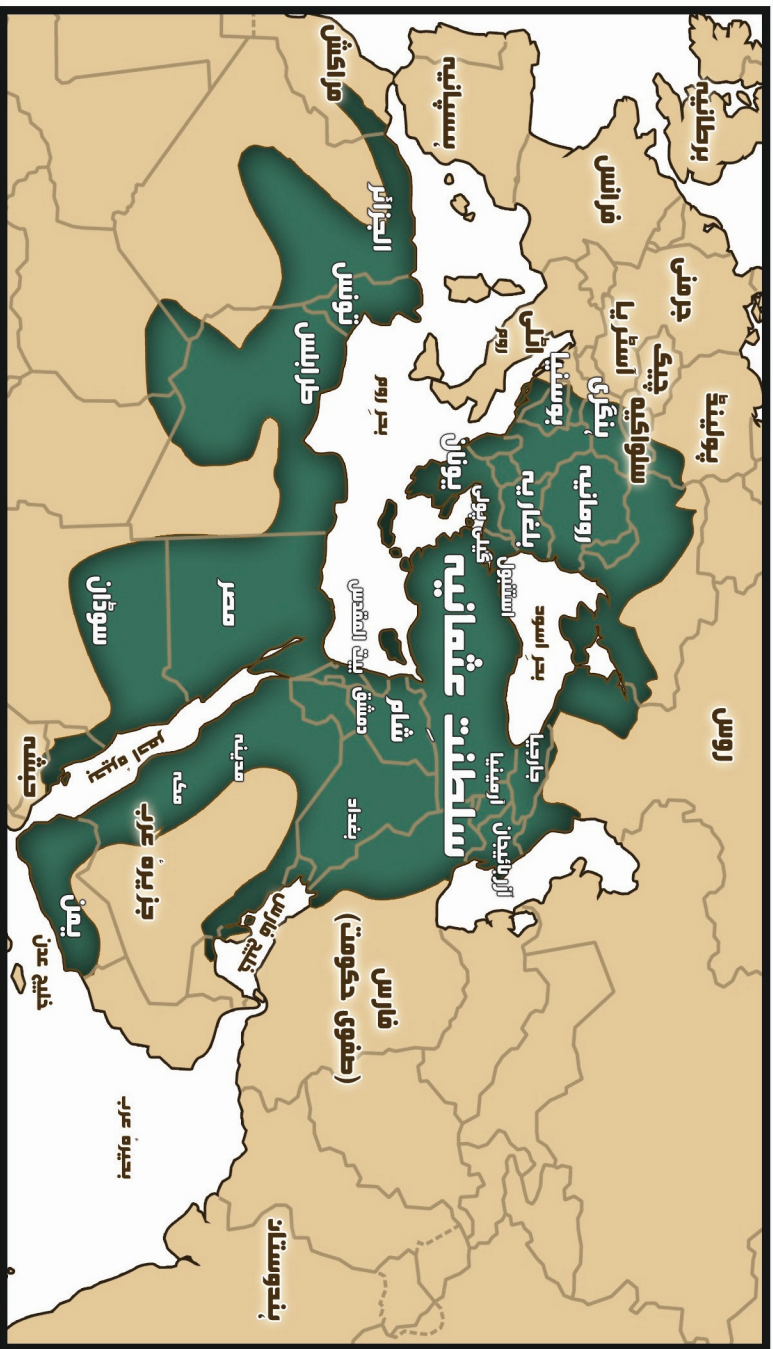
^{۱۸} یہ بات خارج از امکان نہیں کہ انفرادی سطح پر کچھ فوجیوں نے دینی جذبے سے افغان مجاہدین کی معاونت کی ہو، لیکن فوج نے بحیثیت ادارہ جو پالیسی اپنائی وہ اللہ کے کلمے کو سر بلند کرنے کی خاطر نہیں تھی۔ وہ تو نیا دینی مفادات پر مبنی، برطانوی پالیسی کا تسلسل تھی۔

یہ کس کی فوج ہے؟ ----- مدبر کے قلم سے

اپنے دائرۂ اختیار میں شریعت نافذ کرتی۔ یہ تو دراصل اسی برطانوی سوچ کا تسلسل ہے کہ کابل میں ایک ایسی دوست حکومت ہونی چاہیے جس کے سبب اس خطے کی مغربی سرحدات کو کوئی خطرہ درپیش نہ رہے۔ نیز اس پس منظر کو ذہن میں رکھا جائے تو گیارہ ستمبر کے بعد پاکستان کی فوجی قیادت نے طالبان سے رشتہ توڑ کر امریکہ کا ساتھ دینے کا جو فیصلہ کیا، اسے بھی ہرگز ”یو۔ ٹرن“ سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ انگریز نے تو یہ فوج بنائی ہی اس لئے تھی کہ اگر افغانستان کی حکومت اس کے اشاروں پر چلنے سے انکار کر دے، تو اس پر حملہ کر کے اس کی جگہ کوئی کرزئی نمائندہ شخص کابل کا حاکم بنادیا جائے۔

خلافتِ عثمانیہ کے سقوط میں پاکستانی فوج کا کردار

سن ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگِ عظیم کا آغاز ہوتا ہے۔ خلافتِ عثمانیہ نے اس جنگ میں جرمنی کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا اور یوں اسے بیک وقت برطانیہ، فرانس، روس، اٹلی اور یونان سمیت کئی یورپی ممالک کی یلغار کا سامنا کرنا پڑا۔ تاریخِ اسلامی کے اس نازک موڑ پر جب مادی قوت میں کہیں برتر صلیبی افواج پوری شدت کے ساتھ عالمِ اسلام کے قلب پر حملہ آور تھیں؛ ہندوستان میں بالکل متضاد موقف کے حامل دو واضح گروہ نظر آ رہے تھے۔ پہلا گروہ ان علمائے کرام، مجاہدین اور عوام المسلمین کا تھا جو خلافت بچانے کے لئے ہر ممکن قربانی دینے پر تیار تھے اور دعوتی، عسکری، سیاسی، ہر محاذ پر دفاعِ خلافت کے لئے کوشاں تھے۔ اسی گروہ کی ایک نمائندہ شخصیت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ تھے جو سرحدی علاقہ جات میں موجود تحریکِ مجاہدین کے عناصر کے ساتھ مل کر ایک بھرپور عسکری تحریک برپا کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ آپ بالآخر برطانیہ کے خلاف سازش کے الزام میں حجاز سے گرفتار کیے گئے اور جزائرِ مالٹا (اس وقت کے گوانتانامو) میں قید کر دیئے گئے۔



نقشے میں علاقوں کے قدیم نام استعمال کئے گئے ہیں

جدید ریاستی سرحدات

سلطنت عثمانیہ (۱۶۸۳ء سے ۱۶۹۹ء کے درمیان)

ایک طرف سرفروشی و قربانی کی یہ تاریخ رقم ہو رہی تھی، تو دوسری طرف وہ فوجی و جاگیردار طبقہ تھا جو خلافت گرانے اور سلطنتِ برطانیہ کا دفاع کرنے کے لئے اپنی تمام تر خدمات پیش کر رہا تھا۔ ستمبر ۱۹۱۴ء سے نومبر ۱۹۱۸ء تک ہندوستان کے ۱۵ لاکھ فوجی، نیم فوجی اور غیر فوجی افراد یورپ، افریقہ اور مشرق وسطیٰ کے مختلف محاذوں پر برطانوی کمان تلے جنگ میں شریک ہوئے۔ اس پورے عرصے میں تقریباً ۱۵ لاکھ نئے فوجی پورے ہندوستان سے بھرتی کئے گئے، جن میں سے ۶۰ فیصد پنجاب کی فوجی کمان نے فراہم کئے۔^{۱۹}

اس بدبخت فوج کے سپاہیوں کو مصر میں نہر سویز کی حفاظت پر تعینات کیا گیا جہاں انہوں نے جنوری ۱۹۱۵ء میں عثمانی فوج کا ایک مضبوط حملہ پسپا کر کے برطانیہ کی رسد کے اس اہم ترین رستے کی حفاظت کی۔ انہی کو فارس میں موجود تیل کے کنوؤں کو عثمانی فوج کے حملوں سے محفوظ بنانے کا کام سونپا گیا۔ پھر جب برطانوی جرنیل سنینلی موڈ نے ایک لاکھ چھیاسٹھ ہزار (۱،۲۶،۰۰۰) فوجیوں پر مشتمل لشکر کے ساتھ فروری ۱۹۱۷ء میں بغداد کی سمت پیش قدمی شروع کی تو اس کے لشکر کی بھی دو تہائی تعداد کا تعلق ہندوستان ہی سے تھا۔ ۱۱ مارچ ۱۹۱۷ء تک ان وفادار فوجیوں کی مدد سے برطانیہ نے بغداد پر قبضہ مکمل کر لیا۔ پھر اسی فوج کے سہارے جنرل ولیم مارشل (William Marshal) نے اکتوبر ۱۹۱۸ء میں تیل کے وسیع ذخائر کے حامل شہر موصل پر قبضہ کیا۔ پھر جب برطانیہ کی صلیبی فوج نے سرزمینِ انبیاء فلسطین کو صدیوں بعد مسلمانوں سے چھینا اور وہاں صہیونی اسرائیلی ریاست کی بنیاد ڈالی، تو اس مکروہ فوجی مہم میں بھی شاہی ہندی فوج پوری طرح شریک رہی۔ بدبخت برطانوی جرنیل جنرل ایلن بی، جس نے فلسطین میں داخلے کے بعد صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کی قبر پر لات مار کر انہیں حقارت سے مخاطب کیا تھا، اس بدبخت کی قیادت میں ستمبر ۱۹۱۷ء میں غزہ اور دسمبر ۱۹۱۷ء میں بیت المقدس پر قبضہ کرنے والی فوج کا ایک بڑا حصہ ہندوستان سے بھیجی گئی رجمنٹوں پر مشتمل تھا، وہل من عارب بعد هذا العار!

شاہی ہندی فوج نے ہر محاذ پر کفار کے لئے 'قربانیاں' دیں۔ میرٹھ اور لاہور کی ایک ایک پیادہ ڈویژن کو فرانس میں تعینات برطانوی فوج کی کمک کے لئے بھیجا گیا، جہاں چند ہفتوں کے اندر اندر

یہ کس کی فوج ہے؟ ----- مدیر کے قلم سے

آدھی لاہور ڈویژن جرمن فوج کے ہاتھوں ماری گئی۔ اپریل ۱۹۱۵ء کی ایک رات میں زہریلی گیس پھینکے جانے سے لاہور ڈویژن کے چار ہزار کے قریب فوجی مردار ہوئے۔ اسی طرح ترکی کے تاریخی و عسکری اہمیت کے حامل جزیرہ نمائگیلی پولی، پر قبضہ کرنے کی ناکام مہم میں بھی بہت سے ہندوستانی فوجی جہنم واصل ہوئے۔^{۲۰} ۵۹ء سندھ رانگلز کے حوالدار عبدالرحمان نے ۱۹۱۵ء میں یورپ سے ہندوستان میں موجود اپنے ایک فوجی دوست نائیک راج ولی خان کو خط لکھا، جو ۲۱ ویں پنجاب رجمنٹ سے تعلق رکھتا تھا اور ژوب (بلوچستان) میں تعینات تھا۔ یہ خط اس بات کو بخوبی واضح کرتا ہے کہ یہ کرائے کی فوجی، فنی سبیل الطاغوت، کیسی سخت ’ڈیوٹی‘ دے رہے تھے:

”خدا کا واسطہ ہے! یورپ کی اس جنگ میں شریک ہونے ہر گز مت آنا! مت آنا! مت آنا! مجھے خط لکھ کر بتاؤ کہ کہیں تمہیں یا تمہاری رجمنٹ والوں کو یہاں بھیجا تو نہیں جا رہا۔ میں بہت پریشان ہوں، میرے بھائی یعقوب خان کو بھی کہہ دو کہ خدا کا واسطہ ہے! اپنا نام مت لکھوائے! اگر تمہارے کوئی رشتہ دار ایسا ارادہ رکھتے ہیں تو ان کو بھی میری یہی نصیحت ہو گی کہ ہر گز بھرتی نہ ہوں..... تو پیس، مشین گنیں اور بم یہاں یوں برس رہے ہیں گویا مون سون کی بارش ہو۔ ہم میں سے جو لوگ زندہ بچے ہیں ان کی تعداد ہانڈی میں باقی رہ جانے والے چند دانوں سے زیادہ نہیں۔ میری کمپنی میں صرف دس لوگ باقی بچے ہیں اور پوری رجمنٹ میں صرف دوسو“۔^{۲۱}

یقیناً شاہی ہندی فوج کی ان غیر معمولی ’قربانیوں‘ کے بغیر برطانیہ اور اس کے اتحادی خلافت عثمانیہ کو گرانے اور جرمنی کو شکست دینے میں ہر گز کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔

دوسری جنگِ عظیم میں پاکستانی فوج کا کردار

دوسری جنگِ عظیم دراصل پہلی جنگِ عظیم ہی کا تسلسل تھی، البتہ اس بار خلافتِ عثمانیہ دنیا کے نقشے پر موجود نہیں تھی۔ جنگ میں اتحادی افواج کا بنیادی مقصد جرمنی کی فتوحات کو روکنا تھا، جو ہٹلر کی

^{۲۰} Documentary Film: 'Blood & Oil, The Middle East in World War 1', produced by:

INECOM Entertainment, Producer: Marty Callaghan.

مزید دیکھئے: ’دی گریزن سیٹ‘: صفحہ ۱۰۱-۱۰۰

^{۲۱} ’دی گریزن سیٹ‘، صفحہ ۱۰۷

قیادت تلے منظم ہو کر یورپ سے پہلی جنگِ عظیم کی شکست کا بدلہ لے رہا تھا۔ ہٹلر کی افواج نے دیکھتے ہی دیکھتے پولینڈ، چیکو سلواکیہ، ہالینڈ، ڈنمارک، آسٹریا اور ہنگری پر زیادہ مزاحمت جھیلے بغیر ہی قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد اس کی افواج نے فرانس کا رخ کیا اور کچھ مزاحمت کا سامنا کرنے کے بعد اسے بھی فتح کر لیا۔ اس نازک صورتِ حال میں، جب پورا یورپ ہی جرمنی کے قبضے میں چلے جانے کا اندیشہ تھا، برطانیہ نے ایک بار پھر شاہی ہندی فوج کی خدمات لینے کا فیصلہ کیا۔ ہندوستانی فوجیوں نے بھی ’فرض‘ کی اس پکار پر لبیک کہا اور ۱۹۴۵ء تک صرف مغربی ہندوستان سے اس جنگ میں شرکت کے لئے آٹھ (۸) لاکھ نئے فوجی بھرتی ہوئے۔ نیز پورے ہندوستان سے اس جنگ میں شریک ہونے والے فوجی اور غیر فوجی افراد کی ایک تہائی تعداد ’پنجاب کی فوجی کمان‘ نے فراہم کی۔^{۲۲}

جنگِ عظیمِ اول و دوم میں شاہی ہندی فوج کی اسی غیر معمولی کارکردگی نے خود برطانوی فوجی قیادت کو بھی حیران کر دیا اور یہ بات ان کے یہاں ایک مسلم حیثیت اختیار کر گئی کہ اس سے زیادہ قابلِ اعتماد فوج ملنا ناممکن ہے۔ تبھی تو پاکستانی فوج کی تاریخ پر لکھنے والے معروف مصنف و تاریخ دان سٹیفن پی کوہن نے لکھا ہے کہ:

”جنوبی ایشیائے سلامتی معاملات سے منسلک تقریباً تمام برطانوی فوجی جرنیل تقسیمِ ہند کے تصور سے ناخوش تھے..... ان کا خیال تھا کہ قدیم ہندوستانی فوج، جو تقریباً دو سو سال سے موجود تھی، دو عظیم جنگوں اور بہت سی چھوٹی لڑائیوں میں اپنی افادیت ثابت کر چکی ہے (اس لئے اس سے دستبردار ہونا سراسر نقصان کا سودا ہے)۔“^{۲۳}

ہندوستانی فوجی کس چیز کی خاطر لڑ رہے تھے؟

ظاہر ہے کہ پہلی اور دوسری جنگِ عظیم، دونوں میں ہندوستانی فوجی نہ تو کسی دینی غیرت یا قومی حمیت کے سبب شریک ہوئے تھے، نہ ہی وہ جذبہء جہاد یا شوقِ شہادت سے بے قرار ہو کر میدان میں

^{۲۲} ڈی گیریزن سٹیٹ، صفحہ ۲۸۱ اور صفحہ ۳۰۱

^{۲۳} سٹیفن پی کوہن کی تصنیف: The Pakistan Army کا اردو ترجمہ بعنوان ’پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم‘، مطبوعہ

آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ص ۲۔

اترے تھے۔ ان کے سامنے بنیادی محرک بعینہ وہی تھا جس نے انہیں ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر ابھارا تھا؛ اور جس کا تذکرہ ایک انگریز مصنف نے ان الفاظ میں کیا تھا کہ:

”صرف چند ماہانہ روپوں کی خاطر یہ کرائے کے ٹٹو ہمارے ساتھ چمٹے رہے!“^{۲۴}

۱۸۵۷ء کے جہاد کو کچل دینے کے بعد انگریز نے جہاد سے لا تعلق اور انگریزی سرکار سے وفادار رہنے والے افراد میں بڑی بڑی زمینیں تقسیم کی تھیں۔ اس کے بعد سے انگریز کا مستقل دستور چلا آ رہا تھا کہ وہ ہر سال چند منتخب فوجی افسران کو ان کی ’نمائاں کار کردگی‘ کی بناء پر پانچ، پانچ سو ایکڑ زمین عطا کرتا تھا۔ پھر کچھ عرصے بعد انگریزی حکومت نے پنجاب، جہلم، لوہڑ باری دو آب اور نیلی بار کے زرخیز علاقوں میں چار وسیع نہری کالونیاں بنائیں جن کی زمینیں سالہا سال برطانوی سرکار سے وفادار فوجی وغیرہ فوجی طبقات میں تقسیم کی جاتی رہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اس منصوبے کے تحت کل پانچ لاکھ ایکڑ زمین تقسیم کی گئی۔ یہ زمینیں بالعموم ۹۹ سال کے لئے اجارے (lease) پر دی جاتی تھیں۔ زمین لینے والے فوجی کو حکومت سے یہ معاہدہ کرنا پڑتا تھا کہ:

”مجھ پر لازم ہے کہ میں ابھی اور اس کے بعد بھی ہمیشہ وفادار رویے کا مظاہرہ کروں اور ہر مصیبت اور بد نظمی کے موقع پر حکومت اور اس کے افسروں کی عملی مدد کروں..... اگر مقامی حکومت کو کسی بھی وقت یہ محسوس ہوا کہ میں اس شرط کی پاسداری نہیں کر رہا تو وہ یہ معاہدہ ختم کر کے زمین واپس لینے کی مجاز ہے۔“^{۲۵}

وفاداریاں خریدنے کی یہ روایت جاری رکھتے ہوئے، پہلی جنگ عظیم کے دوران پنجاب کی سول انتظامیہ نے شاہی ہندی فوج کے سربراہ اعلیٰ کو ایک لاکھ اسی ہزار (۱،۸۰،۰۰۰) ایکڑ قیمتی نہری زمین عطا کی تاکہ اسے جنگ میں نمایاں کارکردگی دکھانے والے افسروں میں تقسیم کیا جاسکے۔ اس کے علاوہ جنگ میں شریک ہر فوجی کے ماں باپ کو نقدی وغیرہ کی صورت میں انعامات دیئے جاتے، فوجیوں کی بیواؤں کو عام حالات سے کہیں زیادہ پنشن ملتی اور فوج میں بھرتی ہونے والے ہر فرد کو بھرتی ہوتے ہی

^{۲۴} سید احمد شہید اور ان کی تحریک مجاہدین، از ڈاکٹر صادق حسین، ص ۳۶۲ (مکوال: Kaye, Volume II, Page: 362)

پچاس (۵۰) روپے بونس دیا جاتا تھا۔ نیز جو شخص اپنے جتنے زیادہ رشتہ داروں کو فوج میں بھرتی کرواتا، اسے ٹیکسوں میں اتنی ہی زیادہ چھوٹ ملتی۔ اسی طرح جس خان، ملک یا نواب کی قوم جنگ کے دوران زیادہ وفاداری کا مظاہرہ کرتی، اسے اتنی ہی بڑی جاگیر اور القابات عطا کئے جاتے۔^{۲۶} باوجود اس کے کہ پہلی جنگِ عظیم میں مارے جانے یا معذور ہونے والے ہندوستانی فوجیوں کی تعداد لاکھوں میں پہنچتی تھی اور ہندوستانی فوجیوں کو جنگ میں نہایت ہی مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا، لیکن دوسری جنگِ عظیم کے موقع پر بھی اس حقیر دنیاوی مال و متاع کی خاطر ہندوستان کے لاکھوں فوجی ایک بار پھر برطانیہ کے دفاع کی جنگ لڑنے میدان میں اتر آئے تھے۔

پس **تخواہ، ترقی، زمین اور پنشن** ہی وہ بنیادی محرک تھے جن کی لالچ میں ہندوستانی فوج ڈیڑھ دو سو سال اپنے برطانوی آقاؤں کی خدمت کرتی رہی۔ نیز اس فوج میں سے بھی سب سے نمایاں کردار ’پنجاب کی فوجی کمان‘ نے ادا کیا جسے اپنی غیر معمولی وفاداری کی بدولت ’برطانوی راج کے دائیں بازو‘ یا ”Sword Arm of the British Raj“^{۲۷} کا خطاب ملا۔

پاکستانی فوج کی بعد از قیام پاکستان تاریخ

پاکستانی فوج کی تاسیس ثانی

۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان نامی ریاست دنیا کے نقشے پر نمودار ہوئی، جو مغربی ہندوستان کے پانچ مسلم اکثریتی علاقوں (پنجاب، سندھ، سرحد، بلوچستان اور کشمیر) کے علاوہ مشرقی ہندوستان کے خطہء بنگال پر مشتمل تھی۔ اگرچہ برصغیر کے عام مسلمانوں نے قیام پاکستان کے لئے قربانیاں اس امید سے دی تھیں کہ یہاں ’لا الہ الا اللہ‘ کی حکومت قائم ہوگی؛ لیکن ایک تلخ حقیقت اس خواب کی تکمیل میں واضح طور پر حائل تھی۔ تقسیم کے فارمولے کے تحت پاکستان کے حصے میں جو فوج آئی تھی، وہ لا الہ الا اللہ کے مفہوم سے نا آشنا وہی ’شاہی ہندی فوج‘ تھی جو پورے دورِ غلامی میں مسلمانوں کا خون بہاتی اور برطانوی راج کا دفاع کرتی رہی تھی۔ اس پوری فوج اور اس کے اثاثوں کا چھتیس (۳۶) فیصد حصہ

^{۲۶} دی گریزن سٹیٹ، صفحہ: ۱۲۳

^{۲۷} دی گریزن سٹیٹ، صفحہ: ۳۰۱

یہ کس کی فوج ہے؟ ----- مدیر کے قلم سے

پاکستان کو ملا، جس میں آٹھ (۸) پیادہ رجمنٹیں، آٹھ (۸) توپخانہ رجمنٹیں اور آٹھ (۸) بکتر بند رجمنٹیں شامل تھیں۔ اس کے علاوہ کئی تربیتی مراکز اور کراچی اور چٹاگانگ میں واقع بحری تنصیبات بھی پاکستان کو دی گئیں۔^{۲۸} چنانچہ قیام پاکستان کے وقت ملک کا سب سے بڑا، منظم اور قوی ادارہ بھی فوج کا ادارہ تھا، جس کا منطقی نتیجہ یہی نکلا کہ آنے والے سالوں اور دہائیوں میں اسی ادارے نے اس ملک کی باگ ڈور مکمل طور پر سنبھال لی اور قیام پاکستان سے قبل نافذ فرنگی نظام میں کوئی جوہری تبدیلی نہیں آنے دی۔

اگر قیام پاکستان کے بعد کچھ سنجیدہ اقدامات اٹھائے جاتے اور انگریز کی وفادار اس پوری فوج کو جڑ سے تبدیل کر دیا جاتا، اس کا تربیتی نصاب جدید علمائے دین، سرحدی علاقہ جات میں موجود مجاہدین اور جدید عسکری ماہرین کی رہنمائی میں از سر نو ترتیب دیا جاتا، فوج کی مکمل تنظیم نو کی جاتی اور انگریز کے نمک خوار افسر طبقے کو نکال پھینکا جاتا تو شاید اس بات کا کوئی امکان ہوتا کہ یہ فوج ہماری فوج بن جائے۔ لیکن عملی حقیقت یہ ہے کہ ایسا نہ ہو سکا، اور نہ ہی شاید اس سمت کچھ زیادہ سوچا گیا۔ نتیجتاً قیام پاکستان کے بعد بھی شاہی ہندی فوج بلا ترمیم و تطہیر برقرار رہی، البتہ اب خونِ مسلم میں لتھڑے ہاتھوں والی اسی فوج کو پاک فوج کہا جانے لگا!

پاکستانی فوج کی اٹھان میں برطانیہ کا کردار

تقسیم ہند سے قبل انگریزوں کی فوجی قیادت مقامی فوجیوں کو بالعموم اعلیٰ عہدوں تک ترقی نہیں دیتی تھی، اس لئے پاکستانی فوج کو ابتدائی عرصے میں افسروں کی شدید کمی درپیش ہوئی۔ ڈیڑھ لاکھ فوجیوں کی کمان سنبھالنے کے لئے صرف ڈھائی ہزار افسر میسر تھے، جبکہ ضرورت چار ہزار افسروں کی تھی۔ اس کمی کو برطانیہ، ہنگری اور پولینڈ کے افسروں نے پورا کیا، جن میں سے بعض ۱۹۵۰ء کی دہائی تک بھی موجود رہے۔ یہی نہیں بلکہ پہلے پانچ سال تو پاکستانی بری افواج کی قیادت اعلیٰ بھی انگریز افسروں کے ہاتھ میں رہی۔ پاکستانی فوج کا پہلا سربراہ جنرل فرینک میسروی (Frank Messervy) تھا جو اگست ۱۹۴۷ء سے فروری ۱۹۴۸ء تک اپنے عہدے پر رہا، جبکہ دوسرا سربراہ

^{۲۸} پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم، از سٹیفن پی کوہن، ص ۳

یہ کس کی فوج ہے؟ ----- مدیر کے قلم سے

جنرل ڈگلس ڈیوڈ گریسی (Douglas David Gracey) تھا جو فروری ۱۹۳۸ء سے جنوری ۱۹۵۱ء تک اس عہدے پر فائز رہا۔^{۲۹} اسی طرح پاکستانی فوج کے نہایت اہم شعبے، ایس ایس جی (یا کمانڈو دستوں) کی ابتداء بھی ۱۹۵۰ء میں کوئٹہ کے 'Close Quarter Battle School' میں ایک برطانوی افسر کرنل گرانٹ ٹیلر کے ہاتھوں ہوئی۔^{۳۰} نیز فوجیوں کی تربیت کے لئے بھی انگریز کا بنایا ہوا 'رائل انڈین آرمی سروس کور سکول، کاکول' بدستور استعمال ہوتا رہا، البتہ اس کا نام بدل کر اسے 'پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول' کہا جانے لگا۔ اعلیٰ افسران کی تربیت بھی برطانوی تربیتی ادارے 'کیمبرلی' کے طرز پر بنائے گئے، 'سٹاف کالج کوئٹہ' میں جاری رہی۔ اس کالج کی بنیاد لارڈ کچنر نے قبل از تقسیم ہند ڈالی تھی اور تقسیم کے بعد بھی ۱۹۵۳ء تک اس کی کمان برطانوی افسروں کے ہاتھ میں رہی۔ اسی طرح توپ خانے کی تربیت کے لئے نوشہرہ میں جو 'آرٹلری سکول' قائم کیا گیا، اس کے اساتذہ کی تربیت بھی ۱۹۵۲ء تک برطانیہ میں ہوتی رہی اور اس کے بعد وہ تربیت کے لئے امریکہ کے فوجی مرکز فورٹ سل، اوکلاہوما جانے لگے۔^{۳۱}

یہاں یہ امر بھی توجہ طلب ہے کہ پہلے دو انگریز فوجی قائدین کے جانے کے بعد بھی جن لوگوں نے اس فوج کی قیادت سنبھالی وہ اسی نسل سے تعلق رکھتے تھے جو براہ راست انگریز افسروں سے انہی کی اکیڈمیوں میں تربیت پانچلی تھی اور مختلف جنگوں میں انگریزوں سے وفاداری کا عملی ثبوت بھی دے چکی تھی۔ چنانچہ جنرل گریسی کے بعد فوج کی قیادت سنبھالنے والا پہلا پاکستانی جرنیل فیلڈ مارشل ایوب خان علی گڑھ سے پڑھنے کے بعد برطانیہ میں واقع مشہور فوجی اکیڈمی 'رائل ملٹری کالج سینڈ ہرسٹ' (Royal Military College Sandhurst) میں داخل ہوا تھا۔ سینڈ ہرسٹ کی فوجی اکیڈمی میں کسی ہندوستانی کو داخلہ ملنا آسان کام نہیں تھا۔ سٹیفن کوہن اسی بات کو واضح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

^{۲۹} پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم، از سٹیفن پی کوہن، ص ۳؛ نیز دیکھئے: وکی پیڈیا، عنوان: پاکستان آرمی

^{۳۰} Taken from an Introductory & Propaganda video on SSG, produced by ISPR.

^{۳۱} پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم، از سٹیفن پی کوہن، ص ۸۸۳

”انگریز سینڈ ہرسٹ بھیجے جانے والے افراد کا بے حد احتیاط سے چننا کرتے تھے اور وفادار ترین، معزز ترین اور سب سے زیادہ مغربی رنگ میں رنگے ہوئے ہندوستانی خاندانوں سے انتخاب کرتے تھے۔ پھر ان (خاندانوں) میں سے بھی، خصوصاً مسلمانوں میں سے، وہ ان وائسرائے کمیشنڈ افسروں (وی سی اوز) کے بیٹوں کو شامل کرنے کی کوشش کرتے تھے جنہوں نے کوئی نمایاں کارکردگی دکھائی ہو۔“ ۳۲

شاہی ہندی فوج میں شمولیت کے بعد ایوب خان نے جنگِ عظیم دوم میں بھی اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے اور برما کے علاقے میانمار میں تعینات رہا۔ ایوب کے بعد جنرل موسیٰ خان نے فوج کی قیادت سنبھالی۔ موسیٰ کا باپ افغانی تھا جو ترقی کرتا کرتا ’سینئری سی او‘ کے عہدے تک پہنچ گیا تھا۔ باپ کی وفاداری کے صلے میں موسیٰ کو بھی ’رائل ملٹری کالج سینڈ ہرسٹ‘ کے لئے چن لیا گیا، لیکن بعد میں بعض مسائل کی وجہ سے وہ وہاں نہ جاسکا اور اس نے شمالی ہندوستان میں واقع ایک اور برطانوی ادارے ’انڈین ملٹری اکیڈمی دہرہ دون‘ سے تربیت حاصل کی۔ ۱۹۳۶ء میں موسیٰ نے بطور کپتان وزیرستان میں مجاہدین کے خلاف فوجی آپریشن میں شرکت کی۔ آج بھی شمالی وزیرستان کے علاقے ’بویا‘ کی پہاڑیوں پر واقع ایک فوجی چوکی کے ساتھ موسیٰ خان کا نام جلی حروف میں لکھا ہوا ہے۔ موسیٰ کے بعد ۱۹۶۶ء سے ۱۹۷۱ء تک جنرل یگیٰ خان نے فوج کی قیادت سنبھالی۔ اس نے بھی ’انڈین ملٹری اکیڈمی دہرہ دون‘ سے تربیت حاصل کی اور جنگِ عظیم دوم کے دوران اٹلی اور مشرق وسطیٰ میں تعینات رہا۔ جنرل ضیاء الحق، جو ۱۹۷۶ء سے ۱۹۸۸ء تک اس ملک کے سیاہ و سپید کا مالک رہا، بھی براہِ راست برطانوی افسروں سے تربیت یافتہ تھا۔ ضیاء نے ابتدائی فوجی تربیت دہرہ دون سے حاصل کی اور دوسری جنگِ عظیم کے اواخر میں جنوب مشرقی ایشیاء میں برطانوی کمان تلے اپنی صلاحیتوں کا جوہر دکھایا۔ اس کے بعد اعلیٰ تربیت کے لئے اس نے ”امریکی کمانڈ اینڈ جنرل سٹاف کالج فورٹ لیون ور تھ، کینسس“ ۳۳ (امریکہ) کا رخ کیا۔ ۶۰ء کی دہائی کے اواخر میں ضیاء کو اردنی فوج کی تربیت پر مامور کیا گیا۔ ۱۹۷۰ء میں جب اردنی فوج نے اردن میں پناہ لینے والے فلسطینی مہاجرین کے خلاف فوجی آپریشن

۳۲ ’پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم‘ از سٹیفن پی کوہن، ص ۵۷

۳۳ (US Army Command & General Staff College Fort Leaven worth, Kansas)

یہ کس کی فوج ہے؟ ----- مدیر کے قلم سے

کا آغاز کیا تو یہی ضیاء الحق تھا جس نے بطور بریگیڈیئر اردن کی دوسری فوجی ڈویژن کی کمان سنبھالی اور ہزار ہا فلسطینی مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ فلسطینی ذرائع کے مطابق اس کارروائی کے دوران ۲۵،۰۰۰ کے قریب بے گناہ فلسطینی مسلمان شہید کیے گئے۔ برطانوی اکیڈمیوں میں تربیت پانے والی اس نسل کا آخری اعلیٰ افسر جنرل آصف نواز جنجوعہ تھا۔ جنرل آصف نواز ۱۹۹۱ء سے ۱۹۹۳ء کے دوران پاکستانی بری فوج کا سربراہ رہا۔ اس نے ابتدائی تعلیم راولپنڈی میں واقع سینٹ میری مشنری سکول سے حاصل کی اور ایک موقع پر خود اس بات کا اظہار کیا کہ اس کی پرورش میں سب سے اہم کردار، سکول کے دو یورپی اساتذہ، پادری برنز اور میڈم سے فلینگن کا تھا۔ آصف نواز نے بھی ابتدائی فوجی تربیت برطانیہ کے علاقے سینٹ ہرسٹ میں واقع فوجی اکیڈمی سے حاصل کی تھی۔^{۳۴} گویا پانچ سال برطانوی افسروں کی زیر کمان رہنے کے بعد تقریباً ۴۲ سال یہ فوج برطانیہ کے منتخب کردہ اور برطانویوں سے تربیت یافتہ افسروں کے ہاتھ میں رہی۔ چنانچہ وہی فوجی طبقہ جس کی مدد سے برطانیہ نے ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک صدی سے زائد عرصہ غلام بنائے رکھا اور جس کے بل پر ہندوستان میں جڑ پکڑنے والی ہر جہادی تحریک کو کچلا گیا، ’آزادی‘ کے بعد بس وہی بد بخت طبقہ آزاد ہوا، جبکہ باقی سب مسلمان، خصوصاً علماء و مجاہدین، ان غداروں کی غلامی تلے رہنے پر مجبور ہوئے۔ تحریک مجاہدین کے سر فروش تو پاکستان بننے کے بعد بھی ’دشمن‘ ہی سمجھے جاتے رہے اور اس فوج نے ان کا تعاقب اسی طرح جاری رکھا جیسے وہ قبل از قیام پاکستان کیا کرتی تھی۔ ایک طرف قبائلی علاقہ جات میں اپنی فقیر رحمہ اللہ اور دیگر جہادی قائدین کا پیچھا کیا گیا اور ان کے اجتماعات پر بمباری کی گئی، تو دوسری طرف پاکستان کے شہری علاقوں میں بھی تحریک سے منسلک افراد کا تعاقب جاری رہا۔ ڈاکٹر صادق حسین اسی نکتے کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”جو مجاہدین پاکستان واپس آ گئے، وہ یا تو عسرت کی زندگی بسر کرتے ہوئے ولولہء جہاد کی سرگزشتوں کو سینوں میں دبائے ہوئے رہی، ملکِ عدم ہوئے، یا حکومتِ پاکستان کی پولیس کی نگرانی

^{۳۴} پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم، از سٹیفن بی کوہن، ص ۵۷۔ نیز دیکھئے: انسائیکلو پیڈیا بریٹیکا سافٹ ویئر ۱۰ اور وی

پیڈیا، عنوانات: جنرل موسیٰ خان، جنرل ضیاء الحق، جنرل آصف نواز، اردن میں سیاہ جہز۔

یہ کس کی فوج ہے؟ ----- مدیر کے قلم سے

میں زندگی کے ایام گزارتے رہے۔ اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ وہ انگریزی حکومت سے برسرِ جنگ رہتے تھے، اس لئے اب بھی دشمن ہی سمجھے جاتے تھے۔“^{۳۵}

پس چونکہ قیامِ پاکستان کے بعد بھی اس فوج کا نصابِ تربیت تبدیل نہیں کیا گیا، لہذا فوج میں ’دوست‘ اور ’دشمن‘ کی تعریف بھی بنیادی طور پر وہی رہی جو اسے برطانیہ نے قبل از قیامِ پاکستان سکھائی تھی۔

پاکستانی فوج کی اٹھان میں امریکہ کا کردار^{۳۶}

انگریز سے براہِ راست فیض یافتہ اس نسل کے زیرِ سایہ ایک اور فوجی نسل پر دان چڑھ رہی تھی۔ اس نسل کی تربیت میں دو عناصر اپنی گہری چھاپ چھوڑ رہے تھے۔ ایک طرف تو پہلی نسل کے فوجی افسران وہ سارے علوم و فیوض ان تک منتقل کر رہے تھے جو انہیں برطانوی افسروں سے ورثے میں ملے تھے۔ جبکہ دوسری طرف پاکستان کی فوجی و سیاسی قیادت امریکہ سے پیگیں بڑھانے میں مصروف تھی۔ امریکہ نے برطانیہ کے بطن ہی سے جنم لیا تھا اس لئے وہ پاکستانی فوج کی قبل از قیامِ پاکستان تاریخ اور پاکستانی فوج کی ممکنہ افادیت سے بخوبی واقف تھا۔ اسی لئے امریکہ نے پاکستان کو اپنے اتحادیوں میں شامل کرتے زیادہ دیر نہیں لگائی۔ ۱۹۵۴ء میں پاکستان نے امریکہ کے ساتھ ’باہمی دفاعی تعاون کے معاہدے‘ پر دستخط کیے جس کے بعد پاکستان کو امریکی امداد ملنے لگی۔ اس کے بعد ۱۹۵۵ء میں پاکستان نے سیٹو اور سینٹو میں شمولیت اختیار کر کے خود کو واضح طور پر امریکہ کے اہم ترین اتحادیوں میں شامل کر لیا۔ ۵۰ء کی دہائی کے آغاز سے سن ۷۰ء تک پاکستان امریکہ کا چہیتا اتحادی رہا اور امریکہ نے پاکستانی فوج کی تربیت پر بہت باریک بینی سے توجہ دی۔ پاکستانی فوج نے امریکی فوج کی تنظیمی ساخت سامنے رکھتے ہوئے اپنی فوج کو از سر نو منظم کیا۔ فوج میں کئی ایسی ڈویژنوں کا اضافہ ہوا جو مکمل طور پر امریکی اسلحے سے لیس اور امریکہ کی تربیت یافتہ تھیں۔ پاکستان کے بہت سے اعلیٰ افسران تربیت حاصل کرنے امریکہ گئے۔ ۱۹۵۵ء سے ۱۹۵۸ء کے درمیان (یعنی محض تین سال کے عرصے میں) صرف

^{۳۵} سید احمد شہید اور ان کی تحریک مجاہدین، از ڈاکٹر صادق حسین، ص ۶۹

^{۳۶} ’پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم‘ از سٹیفن پی کوہن، ص ۶۵ سے ص ۷۲

توپ خانے کے شعبے سے ہی ۲۰۰ افسر امریکہ گئے۔ نیز امریکی افسران خود بھی پاکستان آکر فوج کی تربیتی اکیڈمیوں میں پڑھاتے رہے اور انہوں نے ان اکیڈمیوں کے نصاب میں بھی بہت سی اہم تبدیلیاں کیں۔ اس سب کے ساتھ ساتھ پاکستانی افسران کو تربیت حاصل کرنے کے لئے برطانیہ اور دولت مشترکہ کے دیگر ممالک بھی بھیجا جاتا رہا۔ نتیجے میں ایک ایسی نسل وجود میں آئی جو اصلاً برطانوی تاریخ و مزاج کی حامل تھی، لیکن اس پر گہری امریکی چھاپ بھی موجود تھی۔ اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے سٹیفن کوہن لکھتا ہے:

”امریکی فوجی ماہرین اسٹاف کالج کوئٹہ تک کے دورے و قفا فقا کرتے رہے، جو کہ پاکستان کا سب سے پرانا فوجی ادارہ ہے اور آج تک برطانوی خواص کا حامل ہے۔ یوں اس کالج کی تعلیم و تربیت میں امریکیوں کا اہم حصہ ہے۔ کالج کی اپنی مرتب کردہ تاریخ میں بتایا گیا ہے کہ ۱۹۵۷ء میں امریکہ کی ایک جوہری جنگ کی ماہر ٹیم کا دورہ انتہائی سودمند ثابت ہوا اور پرانے نصاب میں ترمیم و نظر ثانی پر منتج ہوا۔“

اسی طرح ۱۹۵۶ء میں ’ایس ایس جی‘ کا رسمی قیام بھی امریکی خصوصی دستوں (Special Ops. Force) کی مدد سے عمل میں آیا، اور امریکی خصوصی دستوں ہی کی طرز پر ایس ایس جی کو پروان چڑھایا گیا۔

۱۹۷۱ء کے بعد امریکہ کی توجہ ویت نام کی طرف پھر گئی اور پاکستان بھی وقتی طور پر اس کے اتحادیوں کی صف سے نکل گیا، لیکن ۸۰ء کی دہائی کا آغاز ہوتے ہی امریکہ کو ایک بار پھر روسی خطرے سے نمٹنے کے لئے پاکستان کی ضرورت پڑی اور پاکستان بھی فوجی و غیر فوجی امداد کے دروازے کھلتے دیکھ کر خوشی خوشی امریکہ کا ’فرنٹ لائن اتحادی‘ بننے پر تیار ہو گیا۔ یوں پاکستانی فوج کو ایک بار پھر امریکی سرپرستی حاصل ہو گئی۔ افغانستان سے روس کے انخلاء کے بعد یہ سلسلہ پھر عارضی طور پر کمزور پڑا، لیکن گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعات کے بعد پاکستان دوبارہ امریکہ کا ’فرنٹ لائن اتحادی‘ بن گیا اور اس کی یہ حیثیت تاحال برقرار ہے۔ اس پورے عرصے میں افسروں کی جو دوسری نسل تیار ہوئی، وہ برطانیہ کے ساتھ ساتھ اپنے نئے آقا امریکہ کی بھی وفادار تھی، بلکہ کئی اعتبار سے امریکہ کے زیادہ قریب تھی۔ پرویز مشرف کا تعلق اسی نسل سے ہے۔ وہ امریکی اثرات کے حامل ’سٹاف کالج کوئٹہ‘

یہ کس کی فوج ہے؟ ----- مدیر کے قلم سے

سے پڑھنے کے بعد برطانیہ کے 'رائل کالج آف ڈیفنس سٹڈیز، لندن' سے پڑھا^۳ اور ۱۹۹۸ء میں پاکستان فوج کا سربراہ بن کر نو سال امریکی مفادات کی خدمت کرنے میں مصروف رہا۔

پاکستان فوج کی اٹھان میں اسلام کا کردار

ایک بات تو بلا خوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ پاکستانی فوج کے نظریات و عقائد کی تشکیل میں اسلام کا سرے سے کوئی کردار نہیں رہا۔ البتہ قیامِ پاکستان کے بعد اتنی تبدیلی ضرور آئی ہے کہ فوج نے اپنے سپاہیوں اور افسروں کے جذبات ابھارنے اور انہیں لڑ مرنے کا جذبہ دینے کے لئے اسلام کو نہایت ہوشیاری سے استعمال کیا ہے۔ فوج کے نظریات کو اسلامی رنگ دینے کی کوششیں زیادہ تر ضیاء دور میں ہوئی ہیں، جس کے نمونے پروفیسر کرئل عبدالقیوم کی تصنیف: 'On Striving to be a Muslim' اور بریگیڈیئر ایس کے ملک کی تصنیف 'The Quranic Concept of War' کی صورت میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہ اور ایسی دیگر تحریرات تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم دینیہ پر گہری گرفت رکھنے والے علماء نے نہیں لکھیں، بلکہ خود فوج ہی کے افسران نے لکھی ہیں۔ حسن ظن سے کام لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ شاید یہ کسی انفرادی فوجی کی نیک نیتی پر مبنی کوشش ہو۔ لیکن عملی حقیقت یہ ہے کہ یہ کتب اور اس سے مشابہ تمام کاوشیں فوج کے اساسی نظریات و عقائد اور اس کے طور طریقوں میں کسی قسم کی جوہری تبدیلی لائے بغیر ہی ایک فوجی کو یہ باور کرا دیتی ہیں کہ وہ جہاد جیسی اعلیٰ عبادت میں مصروف ہے، اس پر اس کے افسر کے ہر حکم کی اطاعت کرنا واجب ہے اور اگر وہ مارا جائے تو وہ شہادت کے اعلیٰ رتبے پر فائز ہوگا۔ رہی یہ بات کہ اسلام میں جہاد کی تعریف کیا ہے؟ وطن کی خاطر لڑنے کا شرعی حکم کیا ہے؟ جہاد کے شرعی مقاصد کیا ہوتے ہیں؟ ایک مسلمان کا دوست کون ہوتا ہے اور دشمن کون؟ اطاعتِ امیر کی حدود کیا ہیں اور کن حالتوں میں امیر کا حکم ماننا جائز نہیں رہتا؟ شہید کی شرعی تعریف کیا ہے؟ شہادت کی قبولیت کی کیا شرائط ہیں؟ شریعت نے جنگ کے کیا آداب و ضوابط مقرر کئے ہیں؟..... ان سب سوالات کو اٹھانے اور ان کا درست شرعی جواب دینے سے مکمل گریز کیا جاتا ہے۔ مثلاً، یہ بات پورے دعوے سے کہی جاسکتی ہے کہ پاکستانی فوج کا کوئی افسر و

^۳ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا سافٹ ویئر ۱۰

یہ کس کی فوج ہے؟ ----- مدیر کے قلم سے

جوان یہ بات نہیں جانتا کہ جہاد کا بنیادی مقصد 'اعلائے کلمۃ اللہ' ہوتا ہے، یعنی یہ کہ توحید کا کلمہ بلند کیا جائے، شرک کا خاتمہ کیا جائے، شریعت نافذ کی جائے اور کافروں کے غلبے و بالادستی کو مٹا ڈالا جائے۔ انہی بنیادی شرعی مفاہیم سے جہالت کا نتیجہ ہے کہ پاکستانی فوج کے افسران کبھی بنگال کے مسلمانوں کو ذبح کرتے ہوئے احد و بدر کی مثالیں دیتے نظر آتے ہیں، تو کبھی عرب مجاہدین کا ابو بھانے والے سپاہیوں کو مجاہد گردانے دکھائی دیتے ہیں۔ چنانچہ اے کے سانچے کے دوران جنرل ٹکا خان نے مشرقی پاکستان گیریزن سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

”جہاد اور اسلام سے وابستگی کی بناء پر ہی مٹھی بھر مسلمانوں نے مضبوط ترین مخالفین کو شکست سے دوچار کیا۔ بدر، احد، خیبر اور دمشق کی جنگیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ مسلمان کیا کر سکتے ہیں!“^{۳۸}

اسی طرح، ۲۰۰۴ء میں وانا (وزیرستان) میں عرب و عجم کے مہاجر مجاہدین کے خلاف لڑائی میں مصروف فوجیوں کو مخاطب کرتے ہوئے بریگیڈیئر خٹک نے کہا:

”اصل مجاہد میرے لڑکے ہیں، اصل مجاہد تم لوگ ہو!“

لہذا یہ بات پورے یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ فوج آج بھی اپنے بنیادی نظریات اور فکر و فلسفے کے اعتبار سے سینڈ ہرسٹ اور دہرہ دون کی فوجی اکیڈمیوں سے تربیت یافتہ وہی شاہی ہندی فوج ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اب اس کے اسلامی جذبے کی تسکین کے لئے اس کی بیرکوں کو ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ، جیسے اسلامی نعروں سے مزین کر دیا گیا ہے، حالانکہ یہ آج بھی ان تینوں چیزوں سے اتنی ہی دور ہے جتنی ۱۸۵۷ء میں تھی۔ بلکہ یہ بات تو اور بھی زیادہ خطرناک ہے کہ اب انہی کفریہ مقاصد کے حصول کے لئے یہ فوج دینی جذبے سے لڑ رہی ہے!

فوج کے اصل نظریے کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے سٹیفن کوہن صراحت سے لکھتا ہے:

”آزادی حاصل کرنے والی تمام مسلمان مملکتوں کو مغربی تربیت یافتہ افواج ورثے میں ملیں..... چنانچہ (یہ افواج) کلازٹ، لڈل ہارٹ اور شیلنگ کے نظریات ترک کرنے سے ہچکچاتی ہیں۔ پاکستان آرمی کے بیشتر افسران بھی ان نظریات کو ترک نہیں کریں گے۔“^{۳۹}

^{۳۸} پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم، از سٹیفن پی کوہن، ص ۹۴

^{۳۹} پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم، از سٹیفن پی کوہن، ص ۱۰۷

۱۹۷۱ء کی جنگ میں پاکستانی فوج کا کردار

۱۹۷۱ء کی جنگ نے پاکستانی فوج کی تاریخ میں ایک اور سیاہ باب کا اضافہ کیا۔ اس جنگ میں رونما ہونے والے تکلیف دہ واقعات اس بات کی بین دلیل تھے کہ قیام پاکستان کے چوبیس سال گزر جانے کے بعد بھی فوج کی ذہنیت ذرہ برابر نہیں بدلی تھی۔ انگریز نے مغربی ہندوستان کے فوجیوں کو پہلی مرتبہ تبھی استعمال کیا تھا جب اسے ۱۸۵۷ء میں بنگال سے بھوٹے والی بغاوت کچلنا تھی۔ ۱۹۷۱ء میں اہل بنگال پر توڑے جانے والے مظالم بھی درحقیقت نفرت و تعصب کے انہی جذبات کا شاخسانہ تھے جو انگریز نے اس فوج کے خمیر میں ۱۸۵۷ء میں ڈال دیئے تھے۔

قیام پاکستان کے بعد بھی فوج کی قیادت نے اپنا نظام انہی جاہلانہ تعصبات کی روشنی میں چلایا جو انگریز نے اس کے دل و دماغ میں راسخ کیے تھے۔ پاکستانی فوج میں مختلف قومیتوں کا تناسب کم و بیش وہی رہا جو قبل از قیام پاکستان تھا۔ عسکری امور کی تجزیہ نگار عائشہ صدیقہ، قیام پاکستان کے ساٹھ سال بعد، سن ۲۰۰۷ء میں منظر عام پر آنے والی اپنی تحقیق میں یہ انکشاف کرتی ہے کہ پاکستانی فوج میں اب بھی فوجیوں کی غالب اکثریت، (یعنی ۷۱ فیصد) کا تعلق صوبہ پنجاب سے ہے، جبکہ سرحد سے ۱۲ فیصد، آزاد کشمیر سے ۹ فیصد، سندھ سے ۴ فیصد، شمالی علاقہ جات سے ۳ فیصد اور بلوچستان سے ایک سے بھی کم فیصد فوجی تعلق رکھتے ہیں۔ پھر سندھ سے بھرتی کیے جانے والے فوجیوں میں سے بھی اسی فیصد سے زائد کا تعلق کراچی اور حیدر آباد سے ہوتا ہے، جبکہ سندھ کے باقی تمام علاقوں کو نہ ہونے کے برابر نمائندگی ملتی ہے۔^{۴۰} نیز سٹیفن کوہن ۱۹۹۸ء میں منظر عام پر آنے والی اپنی تحقیق میں یہ بات واضح کرتا ہے کہ پاکستانی فوج اب بھی 'جنگجو نسلوں' کے اس خرافاتی فلسفے پر قائم ہے جو انگریز نے ایک صدی سے زائد عرصہ قبل وضع کیا تھا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج تک بھرتی کے وقت ۷۵ فیصد فوجی پنجاب و سرحد کے ان پانچ اضلاع سے لئے جاتے ہیں جہاں انگریز کی چندہ جنگجو نسلیں پائی جاتی ہیں۔^{۴۱} پاکستان کی فوجی قیادت اور بیوروکریسی کے اسی متعصبانہ رویے کے سبب بلوچستان، سندھ، سرحد اور

^{۴۰} Military INC., Inside Pakistan's Military Economy, by Ayesha Siddiq, Pages: 213

to 216.

^{۴۱} 'پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم' از سٹیفن پی کوہن، ص ۴۱

جنوبی پنجاب میں علیحدگی پسند تحریکوں نے جنم لیا؛ اور انہی تعصبات کے سبب مشرقی پاکستان علیحدہ ہوا۔

مشرقی پاکستان کے مسلمانوں سے معاملہ کرتے ہوئے فوج نہ صرف 'جنگجو نسلوں' کے خرافاتی فلسفے پر قائم رہی، بلکہ اس نے بنگالی مسلمانوں کی طرف حقارت سے دیکھنے اور انہیں دبا کر رکھنے کا وہ مکروہ رویہ بھی اپنائے رکھا جو اسے ۱۸۵۷ء کے بعد اپنے انگریز آقاؤں سے ورثے میں ملا تھا۔ جنگ کے بعد بنگالی مسلمانوں کے خلاف فوج کے مظالم کی جانچ پڑتال اور جنگ میں ناکامی کے ذمہ دار افراد کی نشاندہی کے لئے چیف جسٹس پاکستان جسٹس حمود الرحمان کی سربراہی میں ایک کمیشن ترتیب دیا گیا۔ کمیشن کے ممبران میں سندھ اور بلوچستان ہائی کورٹ کے چیف جسٹس بھی شامل تھے۔ اس کمیشن نے سینکڑوں گواہوں کے بیانات سننے اور اپنی تحقیقات مکمل کرنے کے بعد ایک رپورٹ تیار کی، جو اس فوج کی مکروہ حرکتوں پر سے پردہ اٹھاتی ہے۔ اگرچہ یہ کمیشن اپنی تحقیقات کو منطقی انجام تک پہنچانے سے قبل خود اپنے متوقع انجام سے دوچار ہو گیا، لیکن اس کی رپورٹ ہر پاکستانی کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے۔

۱۹۷۱ء میں بھارت کے خلاف فوج کا 'جہاد' ۳۱

۱۹۷۱ء کے واقعات نے پاکستانی فوج کی مزعومہ عسکری قابلیت کی قلعی کھول دی۔ بہت سے اعلیٰ افسران کا حال یہ تھا کہ وہ بھارتی فوج کی پیش قدمی کا سنتے ہی اپنے ماتحتوں کو میدان جنگ کے بچے چھوڑ کر غائب ہو جاتے۔ ۸ دسمبر ۱۹۷۱ء کو میجر جنرل رحیم خان چاند پور میں تعینات اپنی ڈویژن کو چھوڑ کر تنہا فرار ہو گیا، حالانکہ ابھی بھارتی فوج کا حملہ شروع بھی نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح نویں ڈویژن کی ۱۰ ویں بریگیڈ کے کمانڈر بریگیڈیئر محمد حیات تک جب یہ خبر پہنچی کہ بھارتی ٹینک جیسور کے دفاعی حصار کو توڑ کر آگے بڑھ رہے ہیں، تو اس نے خبر کی مزید تصدیق کرنے کی بھی زحمت نہ کی اور ۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو جیسور کا قلعہ چھوڑ کر اکیلا فرار ہو گیا۔ یہ دیکھ کر پیچھے رہ جانے والے دیگر افسروں کا بھی بد

۳۲ اس عنوان اور اس سے اگلے عنوان تلے جو معلومات دی گئی ہیں، تقریباً وہ تمام ہی حمود الرحمان کمیشن رپورٹ سے اخذ کی

گئی ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے اس رپورٹ کا مطالعہ کر لیا جائے۔

نظمی کے ساتھ پسپا ہوئے اور نہ صرف یہ اہم قلعہ، بلکہ اس میں موجود اسلحے کا تمام تر ذخیرہ بھی بلا مزاحمت بھارتی فوج کے قبضے میں چلا گیا۔ ۳۹ ویں ڈویژن کی ۵۳ ویں بریگیڈ کا کمانڈر، بریگیڈیئر محمد اسلم نیازی، ۹ دسمبر ۱۹۷۱ء کو کشمی قلعے میں ۱۲۳ ازخمی فوجیوں اور تمام تر بھاری اسلحے اور ذخائر کو پیچھے چھوڑ کر قلعے سے بھاگ گیا اور یہ سب کچھ بھی بلا کسی مزاحمت بھارتی فوج کے ہاتھ لگا۔ دوسری طرف مغربی پاکستان کے محاذ پر ۱۵ ویں ڈویژن کے کمانڈر میجر جنرل عابد خان نے بلا مزاحمت ضلع سیالکوٹ کے ۹۸ دیہات بھارتی فوج کے قبضے میں جانے دیئے۔ اسی طرح فوج کی پہلی کور کے کور کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل ارشاد احمد خان نے بھی ضلع سیالکوٹ کی تحصیل شکر گڑھ کے پانچ سو (۵۰۰) دیہاتوں پر بھارتی فوج کو بغیر لڑے قبضہ کرنے دیا۔ مشرقی پاکستان میں فوج کے قائد اعلیٰ جنرل اے کے نیازی کا اپنا حال اس سے بھی بدتر تھا۔ ڈھاکہ میں چھبیس ہزار (۲۶،۰۰۰) فوجیوں پر مشتمل ایک مضبوط دفاعی قوت اور اسلحے و خوراک کے مناسب ذخائر موجود تھے، لیکن محض یہ جان کر کہ بھارتی فوج ایک ہفتے بعد ڈھاکہ پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے، جنرل نیازی کے ہاتھ پاؤں اس بری طرح پھول گئے کہ نہ صرف اس نے بھارتی فوج کے کمانڈر ان چیف کو یہ پیغام بھیج دیا کہ وہ ہتھیار ڈالنے پر تیار ہے، بلکہ اس پر بھی راضی ہو گیا کہ وہ ایک عوامی مقام پر کتی باہنی کے کارکنوں اور بھارتی فوجیوں کی موجودگی میں جنرل اروڑا کے سامنے بذات خود ہتھیار ڈالے گا۔ یہی نہیں، بلکہ وہ جنرل اروڑا کا استقبال کرنے خود ایئر پورٹ گیا اور اپنے اے ڈی سی کو حکم دیا کہ پاکستانی فوجی جنرل اروڑا کو سلامی پیش کریں۔ یوں مسلمانوں کی تاریخ میں پہلی بار ایسا شرمناک موقع آیا کہ خود کو مسلمان کہلانے والے نوے ہزار مسلح فوجیوں نے کافروں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے!

۱۷ء میں بنگالی مسلمانوں کے خلاف فوج کا 'جہاد'

ایک طرف تو پاکستانی فوج نے مشرک کافروں کے مقابلے میں اس شرمناک بزدلی و بے حمیت کی مظاہرہ کیا؛ لیکن دوسری طرف پوری جنگ کے دوران یہی بد بخت فوج نہتے بنگالی مسلمانوں پر اپنی پوری قوت کے ساتھ یوں ٹوٹی گویا اس کا اصل 'جہاد' یہی ہو۔ ۲۵ اور ۲۶ دسمبر کی رات کو ڈھاکہ شہر پر بھاری توپخانے سے وحشیانہ بمباری کر کے لاتعداد نہتے شہریوں کو شہید کیا گیا، ستمبر اور اکتوبر کے درمیان دھوم گھاٹ کے علاقے میں مقامی لوگوں کو قطار در قطار کھڑا کر کے فائرنگ سکواڈ کے

یہ کس کی فوج ہے؟ ----- مدیر کے قلم سے

ذریعے قتل کیا گیا، ۲۸ مارچ ۱۹۷۱ء کو لیفٹیننٹ جنرل یعقوب خان کے حکم پر کو میلا چھاؤنی میں ۱۷ بنگالی افسروں اور ۹۱۵ بنگالی سپاہیوں کو ایک ہی دن میں مار ڈالا گیا، سلدانادی کے علاقے میں بھی ۵۰۰ لوگوں کو قتل کیا گیا، نمایاں بنگالی مصنفین، ڈاکٹروں، انجینئروں، پروفیسروں اور سیاست دانوں کو چن چن کر مارا گیا، الغرض اہل بنگال کے خلاف مظالم کی ایک سیاہ داستان رقم کی گئی۔ بنگلادیشی حکومت کا دعویٰ تھا کہ اس پوری جنگ کے دوران فوج نے ۳۰ لاکھ بنگالی قتل کیے، جبکہ جی ایچ کیو نے ۱۹۷۲ء میں خود چھبیس ہزار (۲۶،۰۰۰) بنگالیوں کے قتل تسلیم کئے تھے۔ بنگلادیشی حکومت کا یہ دعویٰ اگرچہ مبالغے پر مبنی لگتا ہے، لیکن اس امر سے انکار ممکن نہیں کہ مارے جانے والوں کی تعداد لاکھوں میں تھی؛ اور ایسا کیوں نہ ہو، جبکہ حمود الرحمان کمیشن کے سامنے پیش ہونے والے ایک گواہ بریگیڈیئر اقبال الرحمان شریف کے مطابق، پاکستانی فوج کا ایک نہایت اعلیٰ عہدیدار جنرل گل حسن فوجی مراکز کے دوروں کے دوران سپاہیوں سے پوچھا کرتا تھا کہ:

“How many Bengalis have you shot?”

”تم نے کتنے بنگالی مارے ہیں؟“

بنگال میں اس فوج کے جرائم یہیں تک محدود نہ رہے، بلکہ ۱۸۵۷ء کی تاریخ دہراتے ہوئے ان بد بختوں نے بہت سی بنگالی بہنوں کی عصمت دری بھی کی۔ بنگلادیشی حکومت کا دعویٰ تھا کہ کل ۲ لاکھ خواتین کی عصمت دری کی گئی۔ عصمت دری کے واقعات اتنے عام تھے کہ ہر افسر و سپاہی ان سے واقف تھا اور ایک بہت بڑی تعداد ان میں باقاعدہ ملوث بھی تھی۔ لیفٹیننٹ کرنل عزیز احمد خان نے حمود الرحمان کمیشن کے سامنے گواہی دیتے ہوئے کہا کہ فوجیوں میں یہ جملہ عام تھا کہ:

“When the Commander (Lt. Gen. Niazi) was himself a rapier,
how could we be stopped?”!

”جب ہمارا کمانڈر (جنرل نیازی) خود عزتیں لوٹتا تھا، تو پھر ہمیں کیسے روکا جاسکتا تھا؟“!

اخلاقی انحطاط کا حال یہاں تک پہنچ چکا تھا کہ عین جنگ کے دوران بھی فوجی افسران اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے تھے۔ میجر منور خان نے کمیشن کے سامنے گواہی دیتے ہوئے بتایا کہ ۱۱ اور ۱۲ دسمبر کی درمیانی شب جب مقبول پور سیکٹر میں بھارتی فوج کے گولے پاکستانی مورچوں پر گر رہے تھے، عین

یہ کس کی فوج ہے؟ ----- مدبر کے قلم سے

اس وقت بھی بریگیڈیئر حیات اللہ کے زیر زمین مورچے میں ایک بدکار عورت اس کے ساتھ موجود تھی۔

اسی طرح بنگالی مسلمانوں کے اموال بھی فوج کی دست برد سے نہ بچ سکے۔ جنرل راؤ فرمان علی کی گواہی کے مطابق جنرل نیازی نے مشرقی پاکستان میں فوج کی کمان سنبھالنے کے فوری بعد کہا کہ:

”میں راشن کی کمی کا ذکر کیوں سن رہا ہوں؟ کیا اس علاقے کے لوگوں کے پاس گائے بکریاں نہیں ہیں؟ یہ دشمن کی سر زمین ہے، جو جی چاہے چھین لو! ہم (دوسری جنگ عظیم کے دوران) برما میں یہی کرتے تھے۔“

جرنیلوں کی اسی تحریض کا نتیجہ تھا کہ فوج کے افسر و سپاہی سرچ آپریشنوں کے دوران خوب لوٹ مار کرتے۔ بعض مرتبہ جب بیرکوں کی تلاشی لی گئی تو (حمود الرحمان کمیشن رپورٹ کے مطابق) وہاں سے ٹی وی، فریج، ایئر کنڈیشنر، ٹائپ رائٹر، سونا، گھڑیاں اور بہت سی دیگر قیمتی اشیاء برآمد ہوئیں۔ ایک موقع پر ۵۷ بریگیڈ کے کمانڈر بریگیڈیئر جہانزیب ارباب، چار کرئل سطح کے افسران اور ایک میجر نے ایک مشترکہ منصوبے کے تحت سراج گاج میں واقع نیشنل بینک کے خزانے سے ایک کروڑ پینتیس لاکھ (۱،۳۵۰،۰۰۰) روپے چرائے۔ اس چوری کا راز تب کھلا جب راستے میں کسی پل پر تعینات ایک ’جے سی او‘ نے اتفاقاً چوری کا مال لے جانے والی گاڑی کی تلاشی لے لی۔ نیز جرنیل خود بھی اس لوٹ مار اور مالی بد عنوانی میں شامل تھے۔ کرئل بشیر احمد خان کی گواہی کے مطابق میجر جنرل محمد جمشید کی بیوی ڈھاکہ سے فرار ہوتے ہوئے بہت سی چوری شدہ نقدی مغربی پاکستان لے کر گئی، جبکہ جنرل نیازی تو جنگ کرنے کی بجائے اس پورے عرصے پان کی سہولتوں میں مصروف رہا۔ ظاہر ہے کہ جن فوجیوں کے ’اسلاف‘ نے ۱۸۵۷ء میں دہلی کے مسلمانوں کے گھروں سے چار پائیاں تک چرائیں تھیں، اگر ان کے جانشین بھی ایسی خسیس حرکتوں میں ملوث پائے جائیں تو زیادہ حیرت نہیں ہونی چاہیے۔

حاصل کلام

اگرچہ ابھی پاکستانی فوج کی تاریخ کے کئی دیگر سیاہ ابواب کا تذکرہ باقی ہے جو ان شاء اللہ ہم آئندہ کسی موقع پر بیان کریں گے، لیکن جو نکتہ یہاں سمجھانا مقصود تھا، امید ہے کہ وہ اب تک کی تفصیل سے

بھٹی واضح ہو گیا ہو گا۔ فوج کی تاریخ و نظریات جان لینے کے بعد یقیناً کوئی صاحبِ فہم شخص ایبٹ آباد، کراچی، اسلام آباد اور خروٹ آباد میں فوج کی بہیمانہ حرکات پر حیرت کا اظہار نہیں کرے گا۔ نہ ہی وہ اس پر حیرت کا اظہار کرے گا اگر ہم اسے بتائیں کہ اس فوج نے گزشتہ چار سالوں کے دوران سوات سے لے کر وزیرستان تک دس بیس نہیں، کئی سو مساجد و مدارس شہید کئے ہیں؛ لاکھوں مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور کیا ہے، جیٹ طیاروں اور توپخانے کی بمباری سے ہزار ہا معصوم لوگوں کو قتل کیا ہے، ڈرون حملوں کے لئے جاسوسی کر کے سینکڑوں مسلمانوں کا ابو بھانے میں براہ راست شرکت کی ہے، پوری پوری بستیوں کو جلا ڈالا ہے، بازاروں کو اجاڑا ہے، حق گو علمائے کرام کو برہنہ کر کے ان پر وحشیانہ تشدد کیا ہے، شریعت کے نام لیواؤں کو قطاروں میں کھڑا کر کے گولیوں سے بھونکا ہے، چادر و چار دیواری کی حرمت پامال کر کے مجاہدین کی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کو اغواء کیا ہے، سوات، بونیر، درہ آدم خیل اور کئی دیگر علاقوں میں عام آبادی کے گھروں سے سامان لوٹ کر، ٹرکوں میں بھر بھر کر ساتھ لے کر گئے ہیں، امت کے مجاہد بیٹوں کو گلیوں اور چوکوں میں گھسیٹا ہے، آئی ایس آئی کے قید خانوں میں ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے ہیں، حتیٰ کہ ان کو ذہنی اذیت دینے کے لئے اللہ جل شانہ کی شان میں گستاخی تک کرنے سے دریغ نہیں کیا۔

یقیناً ان میں سے کوئی بات بھی قابلِ حیرت نہیں۔ حیرت تو اس سادہ لوحی پر ہے جس کے سبب اب بھی کوئی صاحبِ ایمان شخص اس فوج کو 'اپنی فوج' سمجھتا ہو اور اب بھی اس سے خیر کی امیدیں لگائے بیٹھا ہو۔ ایک ایسی فوج جسے برطانوی راج اپنا دایاں بازو قرار دیتا ہو، جس نے کبھی دہلی میں علماء و مجاہدین کا خون بہایا ہو تو کبھی سوات و قبائلی علاقہ جات میں، کبھی بنگال میں عزتیں پامال کی ہوں تو کبھی بلوچستان میں، کبھی انگریز کو بغداد فتح کر کے دیا ہو تو کبھی یہود کو فلسطین، کبھی خلافت عثمانیہ گرائی ہو تو کبھی افغانی امارت..... ایسے بد بختوں کو 'اپنا' سمجھنا یا ان سے کسی بھلائی کی امید لگانا چہ معنی دارد؟

یہ فوج تو میری اور آپ کی نہیں، انگریز کے مفادات کی محافظ ہے! انگریزی نظام کی محافظ ہے! انگریزی تہذیب کی محافظ ہے! میرے اور آپ کے دفاع میں لڑنے والے تو وہ گنہگار مجاہدین ہیں جو کل تک سید احمد شہید رحمہ اللہ کی قیادت میں لڑتے دکھائی دیتے تھے اور آج ملا محمد عمر اور شیخ اسامہ کی قیادت میں۔ شاہی ہندی فوج اور سید احمد شہید کے جانشینوں کا معرکہ آج بھی جاری ہے..... افغانستان و قبائل کے کوہ و دامن میں، پنجاب کے میدانوں، سندھ کے ساحلوں اور بلوچستان کے ریگستانوں و

یہ کس کی فوج ہے؟ ----- مدیر کے قلم سے

پہاڑوں میں۔ دہلی و بنگال کے مسلمانوں کا مستقبل بھی اسی معرکے سے وابستہ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہندوستان تاخر اسان، ہر بندہ مومن دوست اور دشمن کو بخوبی پہچان لے، اپنے اور پرائے میں تمیز کر لے..... اور پھر اس جنگ کو اپنی جنگ سمجھتے ہوئے اللہ کے دوستوں سے دوستی اور اللہ کے دشمنوں سے دشمنی نبھانے کا حق ادا کرے۔

اللہ ہمیں حق کو پہچاننے اور اس کی اتباع کرنے کی توفیق دے؛ اور باطل کو پہچاننے اور اس سے بچنے کی توفیق دے، آمین!
